

اُو لوگو کہ ہمیں نور خدا پاؤ گے + تو ہمیں طور رشتی کا بتایا ہمنے

رواۃ و احادیث

ذی کما مذاہب پر

جلد ۴ بابت ماریج مشعاع ۹۰۵ نمبر ۳

فہرست مضامین

۱۱۹-۱۲۵ ایک عیسائی گونزٹ اور مسلمان	۹۱-۱۱۸ یہودیوں اور عیسائیوں کا اتحاد	۱۰۴-۱۱۱ تقدیر اور ج کی ضرورت
۱۳۰-۱۲۶ الوصیت	۱۱۸-۱۱۱ کا اتحاد	۱۰۴-۱۱۱ تقدیر اور ج کی ضرورت
۱۳۰-۱۲۶ رویا والہا مات حضرت مسیح موعود		۱۰۴-۱۱۱ تقدیر اور ج کی ضرورت

”نہایت ضروری علم“

اگرچہ بروئے قواعد رسالہ میگزین کا زرچندہ بحر خاص حالات کے پیشگی وصول ہو جانا چاہئے لیکن بچہ جو اس قاعدہ پر ایک پورا عمل نہیں ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاحال سنوات گذشتہ کا بہت بقایا قابل وصول چلا آتا ہے۔ باوجود ہر طرح کے تقاضوں اور یاد دہانیوں کے وصول ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ بعض بقیداران کو بعد اطلاع ضابطہ کے وی پی بھیجے گئے تو عدم وصول واپس آئے اس قسم کی کارروائی سے اول طوالت کام دویم ہیامیدہ زیریاری خراج متصور ہے! اور جانبین کیلئے ناحق کی مالی وجائی تکلیف۔ اندرین حالات پیشگی وصولی کے قاعدہ کی پوری پابندی کی سخت ضرورت پیش آئی ہے اور واقعی اس کا عمل درآمد مفید ہے کیونکہ اس قاعدہ پر عمل کرنیکی صورتیں خریداران و دفتر ہذا کے مابین حساب بالکل صاف ہوتا ہے اول حساب میں کسی قسم کی پیچیدگی واقع نہیں ہوتی دویم اس طرح کی پیشگی وصولی سے کارخانہ ہذا کو بروقت آمد و بجائی ہے سویم بار بار کی خط کتابت تقاضاؤں و یاد دہانیوں کے بارعظیم سے سبکدوشی ہو جاتی ہے۔ چہارم وی پی و خط کتابت وغیرہ کی زیریاری سے بچنے کے علاوہ طوالت کام کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے جس میں خریداران کو بھی ایک گونہ سہولت ہے۔

لہذا سنوات گذشتہ کے مطالبہ کی بے باقی اور سال روان کے زرچندہ کی پیشگی وصولی کی یہ تجویز کی گئی ہے کہ جن خریداران کے ذمہ سنوات گذشتہ کا بقایا یا جن سے سال روان کا پیشگی چندہ ۱۸۰۰ اپریل تک قابل وصول رہ جاوے گا۔ اُن سے چندہ بذریعہ وی پی وصول کیا جائے گا۔ جملہ باقیداران کو بروقت اطلاع دی جاتی ہے کہ تاریخ مذکورہ سے پیشتر حسب قدر توہم زرچندہ قابل وصول ہیں وہ جلد تر بذریعہ منی آرڈر سال فرما کر بے باقی حساب میں کارخانہ کی مدد فرمادیں اور عند اللہ ناجور ہوں۔ والسلام۔

منیجر ریویو آف ریلیجنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی سولہ الکریم

تعدد ازواج

تعدد ازواج کا لفظ ہی یورپ کو ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی آواز کو بھی سننا پسند نہیں کرتے اور ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس مضمون پر بحث سنیں یا اسکے فوائد پر غور کریں اور اسکی ضرورت کے وجوہات پر فکر کریں ایک ایسا خیال ہے جسکا پورا ہونا قریباً ناممکن ہے۔ اس سخت تعصب کی وجہ سے وہ لوگ جنگو ابتدا سے ہی تعلیم ملتی چلی آئی ہے کہ تعدد ازواج جیسی بری بات دنیا میں کوئی نہیں کہی اس امر کے متعلق صحیح نتیجہ نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو زنا جیسی سیاہ کاری کو معمولی نگاہ سے دیکھتے اور ایک تہذیب یافتہ سوسائٹی میں ایسے واقعات کو معمولی واقعات سمجھتے ہیں وہی تعدد ازواج کو پچھلے درجہ کی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور پھر چون چون زنا کے خیف سمجھنے میں ترقی ہے ویسے ہی تعدد ازواج کے خلاف سختی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف ہلکی سے ہلکی سزا کو بھی زنا کے لیے پسند نہیں کیا جاتا۔ تعدد ازواج کیلئے بڑی سے بڑی سزا کو بھی خیف سمجھا جاتا ہے اور اس کی بھیجی کیلئے جراثیم قید جلا وطنی بلکہ قتل کو بھی روار کھا جاتا ہے۔ تعدد ازواج کو خواہ کیسا ہی بُرا کہا جائے مگر کوئی شخص یہ جرأت نہیں کرے گا کہ اسکو زنا سے بھی بدتر یا زنا جیسی بدکاری قرار دے لیکن باوجود اسکے عملی طور پر اسے زنا سے زیادہ خطرناک اور اس کی بھیجی کو زنا کی بھیجی سے زیادہ ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ انہیں لوگوں کو بیان کرنی چاہیے جو تعدد ازواج کے مخالف ہیں۔ اگر ہم پوچھا جائے تو ہم ہی کہیں گے کہ تعدد ازواج کے خلاف جو سختی کی گئی ہے اسی نے زنا کو زیادہ قابل برداشت بنا دیا ہے کیونکہ جس صورت میں فطرت انسانی کے تقاضوں کو روکنا انسان کی طاقت سے باہر ہے تو اسکے جائز ذرائع کو اختیار کر نیسے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طبیعتیں ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے کی طرف مائل ہونگی اسی طرح حق کی مخالفت آہستہ آہستہ انسان کو ناحق کا حامی اور نالاستی سے پیار کر نیوالا بنادیتی ہے۔

پس جہاں ہم اپنی طاقت کے مطابق تعدد ازواج کی ضرورت اور اسکے جواز پر بحث کرنیگے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ تعدد ازواج کے مخالف خواہ وہ یورپ کے مذہب لوگ ہوں یا یورپ کی تہذیب کے ایشیائی فدا کی ہوں وہ وجوہات بیان کرنیگے جنکے باعث تعدد ازواج کو زنا سے زیادہ خطرناک گناہ سمجھا جاتا ہے۔ انسانی کیلیے ہم اس مضمون کو تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں یعنی اول انسانی سوسائٹی میں تعدد ازواج کی ضرورت۔ دوم اسلام نے کھانک اور کن اغراض کیلیے تعدد ازواج کو جائز رکھا ہے اور بالآخر ان اعتراضوں کا جواب دینے کے بعد تعدد ازواج پر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ تعدد ازواج کی ضرورت

تعدد ازواج یا ایک مرد کا ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا انسانی سوسائٹی کی ایسی ہی ضروریات میں سے ہے جیسا کہ خود نکاح اگرچہ اس کا دیرہ نکاح کی طرح وسیع نہیں ہے گویا ایک بیوی سے نکاح کرنا ایک قاعدہ ہے اور تعدد ازواج اس قاعدہ کیلیے ایسی ضروری استثناء ہے جس کا دور کرنا انسانی سوسائٹی کیلیے ایسا ہی نقصان رسان ہے جیسا کہ خود نکاح کے قاعدہ کا دور کرنا کیونکہ نکاح کی اصل غرض یہ ہے کہ انسانیوں کو اس سے بھتر ایسے فوائد حاصل ہوں جو اسکے سوائے اور کسی طریق سے حاصل نہیں ہو سکتے مثال کے طور پر نکاح کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اس سلسلہ نسل انسانی کا اس طریق سے جاری ہے جس سے تعین الدین بھی ہو سکے اور تادہ خوشی جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے قائم رکھی جاوے اور تا انسان پاک دل ہوں اور بد خیالات سے بچے رہیں اور جیسا عام طور پر ان فوائد کا حاصل ہونا نکاح پر موقوف ہے ایسا ہی خاص حالات میں یہ فوائد سوائے تعدد ازواج کے حاصل نہیں ہو سکتے ان میں سے زیادہ ضروری اس غرض کا حاصل ہونا ہے جس کا ذکر سب کے اخیر کیا گیا ہے اور اس لیے ہم پہلے اسی پر غور کرنیگے۔

جو خواہش مرد کے دل میں عورت کے لیے عورت کے دل میں مرد کیلیے ہے وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے اور اس خواہش کا جائز ذریعہ یعنی نکاح کے ذریعہ سے پورا کرنا انسان کے دل میں سچی محبت اور پاکیزگی کے خیالات کو پیدا کرتا ہے اور اس کا جائز تعلقات سے پورا کرنا انسان کو ناپاکی کی طرف لیجاتا اور اسکے دل میں بد خیالات پیدا کرتا ہے پس نکاح انسان کو پاکیزگی کی طرف لیجاتا اور اسے ناپاکی سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ فطری خواہش جو مرد اور عورت کے دلیں ایک دوسرے کیلیے موجود ہے اسے گندی یا ناپاک خواہش کے نام سے منسوب کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اس خواہش کو فطرت انسان میں پیدا کرنا والا خود خدا تعالیٰ ہے اور اسی نے اپنی حکمت اور مصلحت سے بعض اغراض کیلیے اس خواہش کو انسان کے نفس میں

نکاح کے اغراض

انسانی فطرت کا تقاضا

مركز فرمایا ہے ہاں اس کا استعمال یعنی ناجائز طریقوں سے اس کا پورا کرنا بیشک انسان کو ناپاکی اور بدی کی طرف لیجا بیٹوالا، ابتدا میں عیسائیوں کو اس فطری خواہش انسانی کے متعلق سخت غلطی لگی رہی اور یہی وجہ تھی کہ نکاح کے متعلق ان کے درمیان غلط خیال پیدا ہو گئے۔ بہت مدت تک عیسائیوں کا یہ خیال رہا کہ یہ فطری خواہش ناپاکی کی خواہش ہے اور اس لیے وہ نکاح کو برا سمجھتے رہے اور بخیر و کویہ حج دیتے رہے یہاں تک کہ بخیر و کویہ ہی انسانی کمال سمجھ لیا گیا حالانکہ انسانی کمال اس بات سے حاصل نہیں ہوتا کہ فطری خواہشوں کو ناپا جائے بلکہ انسان کی فضیلت اس امر سے ہے کہ اُن.. خواہشات کے پورا کرنے میں جائز ذرائع کا استعمال کرے اور ناجائز طریقوں اور راہوں سے بچے کیونکہ کوئی قوت جو خدا تعالیٰ نے انسان کو دی ہے بذاتہ بُری نہیں بلکہ اس کا برا استعمال بدی کی طرف لیجا بیٹوالا ہے اور یہی حال اس فطری خواہش کا ہے جس کا ذکر ہم اس جگہ کر رہے ہیں۔

پس اولاً نکاح مرد و عورت کی اس فطری خواہش کے تقاضا کو پورا کرنا جائز طریق ہے اور اس میں مباحہ میں سب سے مقدم یہ امر ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن سے جائز طور پر انسان اس خواہش کو پورا کر سکتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ معلوم کیا جائے کہ نکاح کی بہترین صورتیں کون کونسی ہیں یعنی ایسی صورتیں جو اس خواہش کے تقاضا کو ہر پہلو سے پورا کر نیکاراہ اسے دکھاتی ہیں اور اس کو ہر ایک ایسی راہ سے بچاتی ہیں جو ناجائز یعنی ہلاکت کی طرف لیجا بیٹوالا ہے۔ اگر اس بات کو مد نظر رکھ کر غور کیا جائے تو جیسا عام طور پر انسان کے لیے ایک بیوی سے نکاح کرنا ضروری ہے ایسا ہی خاص حالات کے ماتحت ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت محسوس کرے اور اگر کسی قانون میں نکاح کی ایسی صورتیں ملحوظ نہ رکھی جائیں جو ان ضروری استثناءؤں کو مد نظر رکھیں خواہ وہ کسی وقت اور کسی جگہ پیدا ہوں یا ہوں تو ایسا قانون ناقص ہوگا۔ اور ایسے استثناءؤں کا وجود اس قدر کم بھی نہیں کہ اس کو نادرا و نادر کا بعد و ہم سمجھ لیں بلکہ ایسے حالات دنیا میں ہر زمانہ اور ہر ملک میں پیدا ہوتے رہتے ہیں نہ ہی پورے متمدن ممالک اس سے خالی ہیں بلکہ ایسی ضرورتیں جیسے ان ممالک میں محسوس ہوتی ہیں جہاں تعداد ازواج کا رواج ہے ویسے ہی ان ممالک میں بھی پیدا ہوتی رہتی ہیں جہاں تعداد ازواج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضرورتیں الگ الگ ملکوں میں پوری ہوتی رہتی ہیں یعنی اول الذکر ممالک میں تو بذریعہ تعداد ازواج پوری ہوتی ہیں اور مؤخر الذکر میں بذریعہ زنا اور بدکاری کے چنانچہ عیسائی ممالک میں تعداد ازواج کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اور اسی ضرورت کے لحاظ سے ہی ان ممالک میں بہت سے لوگوں کو تعداد ازواج کی حمایت میں گھڑا کر دیا ہے چنانچہ ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب مرسوم بتائید میں لکھتے ہیں ”تعداد ازواج کی حمایت میں بہت ساری کتابیں شائع ہوئی ہیں اور وہ ایسے لاگوئی تصنیف ہیں جو عیسائی ہیں۔ ہر فرد آکینس نے مولھون صدی کے نصف میں تعداد ازواج کی تائید میں سوال

اس تقاضا کو پورا کرنا جائز طریق ہے

جواب کی صورت میں ایک کتاب شائع کی۔ اور اس وقت کے قریب ایک سو اور سال بھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے جو اہل پر شائع ہوا جس کے مصنف کا اصل نام سارس تھا۔ ایسا ہی سیلڈن اپنی کتاب ”اکسپریس بریکنگ“ میں ثابت کرتا ہے کہ تعدد ازواج کی رسم صرف یہودیوں کے درمیان ہی تسلیم نہیں کی گئی تھی بلکہ دوسری قوموں کے درمیان بھی لیکن تعدد ازواج کا سب سے مشہور حامی انگلستان کا مشہور و معروف شاعر جان ملٹن تھا۔

حفاظت تقوے اب ہم بعض وہ وجوہات بیان کرتے ہیں جو تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں ان میں سب سے مقدم تقوے یعنی پرہیزگاری یا بدمی سے بچنا ہے۔ تقوے ایک ایسی پیاری چیز ہے کہ اس کا خیال ہر انسان کو باقی سب باتوں سے مقدم رکھنا چاہیے۔ قدرت نے بعض آدمیوں کو معنوی آدمیوں کی نسبت زیادہ قوی الشهوت بنایا ہے اور ایسے آدمیوں کے لیے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان کو جائزہ طور پر دوسرا یا تیسرا نکاح کر نیسے روکا جاوے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تقوے کو چھوڑ کر بدمی میں مبتلا ہو جائیگا۔ لہذا ایک ایسی بدکاری ہے جو انسان کے دل سے ہر ایک پاکیزگی اور طہارت کا خیال دور کر دیتی ہے اور اس میں ایک خطہ کا نہ پر پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے ان لوگوں کے لیے جو قوی الشهوت میں ضرور کوئی ایسا علاج ہونا چاہیے جس سے وہ زنا جیسی سیاہ کاری میں پڑ نیسے بچے رہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ قوی الشهوت آدمیوں کو ایک سے زیادہ عورت کی خواہش پڑے گی یہ اظہار من الشمس ہے۔ عورت ہر وقت اس قابل نہیں ہوتی کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوی پیدا کر سکے کیونکہ دل تو لازمی طور پر ہر ایک عورت پر ایک مہینہ میں سات دن ایسے آتے ہیں جن میں ایام حیض جنہیں مرد کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن مرد نہیں ایسا نقص پیدا نہیں ہوتا۔ پھر علاوہ اس نقص کے جو ہر عورت کو لگا ہوا ہے ایام حمل عورت کے لیے ایسے مہینے ہیں خصوصاً اسکے بچھے مہینے جنہیں عورت کو اپنی اور اپنے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد کی صحبت سے پرہیز کرے۔ اور یہ صورت کئی مائیک ہوتی ہے۔ پھر اسکے بعد حیض منع حمل ہوتا ہے تو پھر بھی کچھ مدت تک عورت کو مرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ اس ان تمام اوقات میں جب عورت کے لیے یہ قدرتی رکاوٹیں واقع ہو جاتی ہیں خاوند کیلئے کوئی امر مل نہیں ہوتا۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ کثرت سے مرد ایسے ہیں جو ان وقتوں میں دوسری عورت کر نیسے بغیر تقوے کو قائم رکھ سکتے ہیں لیکن سب سے ہی ہم یہ کہنے کو تیار ہیں اور کوئی عقلمند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ دنیا میں ایسے قوی الشهوت آدمی بھی موجود ہیں اور اس قوت کا زیادہ ہونا کسی صورت میں ان کے لیے باعث الزام نہیں ہے جن کو اگر ان یا اس قسم کے اور وقتوں کے اندر دوسری عورت کے نکاح کی اجازت نہ دی جائے تو پھر اس خواہش کے تقاضا کو پورا کر نیسے لیے وہ ناجائز ذرائع استعمال کر نیسے۔ جو لوگ تعدد ازواج کی مخالفت کرتے ہیں وہ ان صورتوں میں قوی الشهوت مردوں کے لیے کوئی اور راہ نکال دیں۔ تو ہم خوشی سے تعدد ازواج کی عدم ضرورت کو مان لینگے لیکن جب تک

فطرت انسانی قائم ہے اور جب تک اس میں اس قسم کے واقعات جنکا اوپر ذکر ہوا پیدا ہوتے ہیں گئے تب تک سوائے
کا اور انسانوں کا ہر ایک بھی خواہ تعدد ازواج کی ضرورت کو ضرور تسلیم کرے گا کیونکہ تعدد ازواج کی حماقت کی صورت
میں دوسرا راہ جو ایسے لوگوں کیلئے کھلا ہے زنا ہے جس کی برائی عام طور پر مسلم ہے اگر یہ کہا جائے کہ ایسے
لوگوں کو ایک ہی عورت پر قناعت کرنے پر مجبور کرنا چاہئے تو ہم کہتے ہیں کہ فطری خواہش کے تقاضے تو کبھی
مرد نہیں سمجھتے پس اس جبر کا نتیجہ یہ ہو گا اور یورپ میں ہی نتیجہ ہوا ہے کہ ایسے لوگ زنا کی بلا میں گرفتار ہو چکے
جب خدا تعالیٰ کے قانون قدرت نے بعض لوگوں کو دوسرے کی نسبت زیادہ قوی دیئے ہیں تو اس کا یہ منشا
کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ان قوی کو جائز طور پر استعمال نہ کریں ایک قوی الثموت آدمی کو جب کا تقویٰ
بغیر دوسری عورت کے قائم نہیں رہ سکتا یہ کہنا کہ وہ ایک ہی عورت پر قناعت کرے اور اسی امر پر اسکو
مجبور کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک نامرد کو جسے قدرت نے ان قوی سے خالی پیدا کیا ہے اس بات پر مجبور
کیا جائے کہ وہ ایک بیوی کو نکاح میں لا کر اسکے سارے حقوق ادا کرے جو ایک خاوند کو ادا کرنے چاہئے
پس جس طرح پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں نامرد موجود ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کے قوائے شہوانی
کے لیے ایک عورت کافی نہیں پس خدا کی طرف سے صرف ہی قانون ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے لوگوں کی
ضروریات کو مد نظر رکھ کر ایسی راہ انسانوں کو بتاتا ہے جس پر سب چل سکیں خواہ ایسے لوگ کتنے ہی تھوڑے
ہوں مگر انکے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور جب تک ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں تب تک تعدد ازواج
کے مسئلہ سے انکار کرنا مسرماقت ہے پس تقویٰ کا قائم رکھنا سب سے اول امر ہے جو تعدد ازواج کی ضرورت
کو ثابت کرتا ہے۔

حماقت کے تیاج اور
راستبازوں کی شہادت

جو کچھ ہم نے بیان لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج جیسا کہ کہا
جاتا ہے بدی نہیں بلکہ بدیوشے روکنے کا ایک ذریعہ ہے ہماری سمجھ میں تعدد
ازواج کیلئے یہ سب سے بڑی ضرورت ہے اس دلیل کی صداقت اور طرح پر ظاہر
ہوتی ہے کیونکہ اول تو یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان ممالک میں جہاں تعدد ازواج کو ناجائز سمجھا جاتا ہے زنا بہت
ہی بڑھا ہوا ہے اور خطرناک طور پر وہاں یہ بدی پھیلی ہوئی ہے یہ ایک ایسا امر ہے جس سے عیسائی جہاں
کو بھی انکار کی گنجائش نہیں اور عیسائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ پاکدامنی کے معاملہ میں اسلامی ممالک عیسائی
ممالک سے بہت اچھے ہیں۔ بلکہ خود عیسائی ممالک میں ایک ایسے فرقہ کے پیدا ہو جائیے جو تعدد ازواج پر
عمل کرنا لاتھا۔ یہ امر اور بھی واضح طور پر ثابت ہو گیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم گذشتہ اشاعت میں دکھا چکے
ہیں خود عیسائیوں نے تسلیم کیا ہے کہ جب تک مارن لوگ تعدد ازواج پر عمل کرتے تھے انکے درمیان بمقابلہ

دوسری ریاستوں کے زنا بہت ہی کم تھا۔ ایسا ہی ولد الزنا بچوں کی پیدائش کے متعلق گذشتہ اشاعت میں اعداد و نقل کر کے ہم نے یہ دکھایا تھا کہ زنا نے یورپ میں کیسی خطرناک صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ علاوہ اسکے جب ہم بڑے بڑے صالح لوگوں کی زندگیوں پر غور کرتے ہیں تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعدد ازواج کو تقویٰ کے لیے ضروری سمجھا۔ وریام کسی خاص قوم یا خاص ملک تک محدود نہیں بلکہ اس کی نظیریں تمام دنیا میں پائی جاتی ہیں ایک طرف تو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام میں سے اکثر نے خود اس مقدس مسئلہ پر عمل کر کے اسکے جواز کو ثابت کیا ہے۔ اور دوسری طرف ہم ہندوستان میں بھی دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ریشیوں نے ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر لیا ہے اور اس پر عمل کیا۔ اب وہ لوگ جنہوں نے خود اس مسئلہ پر عمل کیا دنیا کے وہ مقدس رہنما ہیں جنہوں نے دنیا میں اخلاق کے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کے اصولوں کی تعلیم دی۔ اور جنہوں نے اپنے پیروؤں کو بھی سکھایا کہ وہ ہر قسم کی بدی اور خیال سے پرہیز کریں۔ ان لوگوں نے خدا سے ایسی محبت کی اور سچائی اور سیرت گاری کو ایسا مقدم رکھا کہ انکی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو گوارا کیا اور انسانوں کی بہتری کی خاطر اپنے تمام آراموں اور فوائد کو ہیچ سمجھا۔ دل کی پاکیزگی اور تقویٰ کا اختیار کرنا ہی وہ امور تھے جن پر انہوں نے بار بار زور دیا۔ زنا سے انہوں نے ایسی نفرت کی کہ اسکو سب بدیوں سے برا سمجھا اور اس سے بچنے کیلئے راہیں بتائیں۔ یہ تقویٰ اور طہارت کے معلم جو مختلف ممالک اور مختلف زبانوں میں پیدا ہوئے۔ سب کے سب ایک ہی بات پر متفق ہوئے یعنی یہ کہ زنا ایک خطرناک بدی ہے جسکا خیال بھی دل میں لانیسے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور کہ تعدد ازواج کا مسئلہ سچا اور پاکیزگی کی طرف لے جائیو والا اور زنا سے انسان کو بچائیو والا ہے۔ اگر یہی امر حق نہ ہوتا تو اس مقدس سوچ کا اس پر اتفاق نہ ہوتا جو مختلف ممالک اور مختلف زبانوں میں پیدا ہوئے۔ غرضیکہ تمام راستناروں کی متفقہ شہادت باوازا بلند پکار کر بیان کر رہی ہے کہ تعدد ازواج ایک پاک اصول ہے جو سوسائٹی کو زنا جیسی بدکاری سے محفوظ رکھنے کیلئے بے نظیر علاج ہے۔

عورت اور مرد کی
عمر و ن کا اختلاف

ڈیون پورٹ صاحب اپنی کتاب میں ایک درپلو سے تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں یہاں اسکے الفاظ کا ترجمہ ہم ناظرین کیلئے درج کرتے ہیں۔ "تعدد ازواج کی ضرورت کے طبعی وجوہات کے متعلق ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مشہور مائٹیکو نے دیکھا ہے کہ گرم ملکوں میں عورتیں آٹھ نو یا دس سال کی عمر میں شادی کے قابل ہو جاتی ہیں اس لیے ان ممالک میں شادی کا زمانہ عمر کے لحاظ سے بچپن کا زمانہ ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں وہ بوڑھی ہو جاتی ہیں اس لیے عقل اور خوبصورتی دونوں ایک وقت انکے اندر جمع نہیں ہوتے۔ جب خوبصورتی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ عورت

حکومت کرے، اس وقت عقل اور تجربہ کا ہونا اس دعوے کا مانع ہوتا ہے لیکن جب عقل اور تجربہ حاصل ہوتا ہے تو..... خوبصورتی نہیں رہتی۔ اس لیے عورتوں کو لازمی طور پر ایک محکومی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے کیونکہ عقل اور تجربہ بڑھاپے کے وقت وہ حکومت پیدا نہیں کر سکتے جو جوانی اور خوبصورتی بھی نہ کر سکے تھے اس لیے یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے کہ ان ممالک میں تعدد ازواج کا رواج ہو گا اس حق جو منفقہ کے الفاظ سے صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ علاوہ ان وجوہ کے جو ہر سوسائٹی میں تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں۔ گرم آب ہوا والے ممالک میں خاص

ضرورت تعدد ازواج کی پیدا ہو جاتی ہے اس سے علاوہ یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں کے تو بڑھاپے سے جلدی متاثر ہوتے ہیں پس جہاں مرد کے قوے بالکل محفوظ ہوں جیسا کہ وہ اکثر حالات میں ہوتے ہیں اور عورت بڑھی ہو چکی ہو دوسری عورت سے نکاح کرنا بعض حالات میں مرد کیلئے ایسا ہی ضروری ہو گا جیسا کہ پہلے کی صورت پہلی عورت سے نکاح کرنا ضروری تھا پس جو قانون تعدد ازواج سے روکتا ہے وہ ان مردوں کو جنکے قوے خوش قسمتی سے بڑھاپے کی عمر تک محفوظ رہیں یہ راہ بتاتا ہے کہ وہ ان قوے کے نقصان کو زنا کے ذریعہ سے پورا کریں۔ ایسا قانون عام انسانوں کی حالتوں کے مطابق کیونکر ہو سکتا ہے؟

یہ تو مردوں کی ضروریات ہیں مگر خود عورتوں کو بعض وقت ایسی مجبوریان آ پڑتی ہیں کہ اگر انکے لیے یہ راہ کھلی نہ رکھی جائے کہ وہ ایسے مردوں سے نکاح کر لیں جنکے گھر وہیں پہلے عورتیں موجود ہیں تو اس کا نتیجہ بدکاری ہو گا

عورتوں کی تعداد میں مردوں کی نسبت زیادتی کے اسباب۔

ایک ہی امر پر غور کرو کہ کس طرح ہر سال میں دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں لاکھوں مردوں کی جانیں لڑائیوں میں تلف ہو جاتی ہیں حالانکہ عورتیں بالکل محفوظ رہتی ہیں لگر پرائی مثالوں کی طرف نہ بھی جائیں تو تین بارہ دو مثالیں ہی اس دلیل کی صداقت کا کافی ثبوت ہیں یعنی انگلستان کی لڑائی بوٹروئیکے ساتھ جو جنوبی افریقہ میں ہوئی اور روسیوں اور جاپانیوں کی لڑائی جو آج کل ہو رہی ہے اب دیکھو کہ کس طرح ان لڑائیوں میں لاکھوں مرد تلف ہوئے اور ہو رہے ہیں اب ایسے واقعات یعنی جنگوں میں مردوں کی جانوں کا تلف ہونا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور جب تک دنیا میں مختلف قومیں موجود ہیں ایسے واقعات ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور ہمیشہ ایسے مردوں کی تعداد میں کمی ہو کر عورتوں کی تعداد کا بڑھ جانا ایک لازمی امر ہے اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ عورتوں کی تعداد کی یہ زیادتی کسی قوم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہتی تاہم اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک مدت تک مردوں کی اس کمی کا اثر ضرور رہیگا جو اس طرح پیدا ہوگی۔ اب یہ عورتیں جو مردوں کی تعداد سے زیادہ ہوں گی انکے لیے کیا سوچا گیا ہے۔ تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں ان کا کیا حال ہو گا۔ کیا ان سب کو ہی جواب نہیں ملیگا کہ جسکے دلیں مرد کیلئے وہ خواہش پیدا ہو جو قدرتی فطرت انسانی میں رکھی ہے وہ ناجائز طریقوں سے اسے پورا کرے۔ سوچ کر دیکھو کہ تعدد ازواج کی راہ کو بند کر کے ان

لاکھوں عورتوں کو جو اس طرح لڑائیوں کے سبب سے بیوہ ہو گئیں یا جنکے لیے نکاح کے ذریعہ نہیں رہے یہی جو آدینا پڑیگا افسوس ہے کہ ایک غلط اصول کی حمایت میں انسانی ضروریات پر ایک لمحہ تکیلی بھی غور نہیں کیا جاتا۔ تعداد ازواج کے سوائے اور کوئی ایسی راہ نہیں جو ان ضروریات کو پورا کر سکے۔

یورپ میں عورتوں کی تعداد اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ میں جسکو مردوں کی نسبت بہت زیادہ ہے سب ممالک کے بڑھ کر تعداد ازواج کی ضرورت سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے۔ یورپ کے کل

ممالک کے متعلق ہمیں اعداد نہیں مل سکے لیکن جس قدر ملے ہیں اس سے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا کسی قدر اندازہ لگ سکتا ہے۔ سن ۱۸۹۷ء کی مردم شماری کے روسے انگلستان میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد ۷۸ لاکھ یا ۸۱ لاکھ سو اسی زیادہ تھی (گویا ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار انتہر عورتیں تھیں) اور سکاٹلینڈ میں ایک لاکھ پچیس ہزار چھ سو اٹھانوے عورتیں زیادہ تھیں۔ ایرلینڈ میں اسی ہزار اٹھاسٹھ۔ گویا برطانیہ کلان میں یورپ کی جنگ سے پہلے یارن لاکھ انتہر تھیں سو پچاسی عورتیں ایسی تھیں جنکے لیے ایک ایک بیوی والے قاعدہ کے روسے کوئی مرد مینا نہیں ہو سکتا تھا۔ فرانس میں ۱۸۹۷ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تیس ہزار سات سو نو زیادہ تھی۔ جرمنی میں ۱۸۹۷ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار تیس عورتیں موجود تھیں۔ گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنا والا کوئی مرد نہ تھا۔ سویڈن میں ۱۸۹۷ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار اٹھ سو ستتر عورتیں اور سپانیہ میں ۱۸۹۷ء میں چار لاکھ ہزار دو سو باسٹھ عورتیں۔ اور اسٹریا میں ۱۸۹۷ء کی مردم شماری میں چھ لاکھ چالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کر لینا تو آسان ہے کہ ہم تعداد ازواج کو بڑھاتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لیے یورپ کے کونسا قانون تجویز کیا ہے کیونکہ ایک ایک بیوی کے قاعدہ کے روسے انکو یورپ میں تو خاوند نہیں مل سکتے۔ سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانوں کی ضروریات کے لیے تجویز کیے جاتے ہیں وہ انسانوں کی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں۔ وہ قانون جو تعداد ازواج کی ممانعت کرتا ہے ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور انکے دل نہیں مردوں کے لیے کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ تو ناممکن امر ہے جیسا خود تجربہ ثابت کر رہا ہے پس نتیجہ ہو گا کہ جائز طریق سے روکا جائے کہ باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی۔ اور اس طرح ان ممالک میں زنا کی کثرت ہوگی۔ یہ تعداد ازواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور یہ امر کہ زنا اس ذریعہ سے زیادہ پھیلے گا خیال ہی خیال نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے۔

تعدد ازواج کی ضرورت کے اور اسباب

بہر نکاح کی اغراض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے بطور رفیق کے ہوں پس اگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو جائے کہ جس کے سبب عورت مرد کیلئے بطور رفیق کے نہ رہے یا اس سے اسکو وہ خوشی حاصل نہ ہونے جو ایسے رفیق سے ہونی چاہئے تو ان صورتوں میں بھی مرد کو دوسرا نکاح کرنیکی اجازت ہونی چاہئے مثلاً اگر عورت کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اسکو ہمیشہ کیلئے یا بڑے بڑے وقفوں کے لیے ناقابل کردیوے یعنی اس امر کے قابل نہ رہنے دے کہ خاوند اس سے تعلقات زناشوی رکھ سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کیون نکاح کی اصل غرض کو مرد دوسرے نکاح کے ذریعہ سے پورا نہ کرے جیسے انسانی زندگی کے حالات کا دائرہ وسیع ہے ویسا ہی ان ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہے جو بعض وقت مرد کو دوسرا نکاح کرنیکے لیے مجبو کر دیتی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایسی ضروریات اکثر پیدا نہیں ہوتیں مگر جب واقعی وہ ضرورتیں پیدا ہو جاوے اور یہ ضروری ہے کہ ہر انسانی سوکھائی میں وہ کم و بیش پیدا ہوتی ہیں تو سوائے تعدد ازواج کے اور کوئی ذریعہ نیکے پورا ہونیکا نہیں پس اس علاج کو کونا بیماریوں کو بڑھانا ہے ایسا ہی تعدد ازواج اکثر حالات میں طلاقوں کی کمی کا ذریعہ ہو سکتا ہے قدرت نے عورت کو وہ سامان دیئے ہیں جو مرد کیلئے باعث کشش ہیں اور مرد و عورت کے تعلق میں ان فریفتگی اور کشش کے موجبات کی موجودگی ایک نہایت ضروری امر ہے اور صرف اسی صورت میں نکاح بابرکت ہو سکتا ہے کہ ایسے سامان کشش عورت میں موجود ہوں اور اگر عورت میں ایسے سامان موجود نہ ہوں یا کسی طرح سے جاتے ہیں تو مرد کا عورت سے وہ تعلق نہیں ہو سکتا پس ایسی صورتیں اگر خاوند کو دوسری شادی کی اجازت نہ دیجائے تو یا تو وہ کوشش کریگا کہ کسی طرح اس عورت کے نجات حاصل کرے اور یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو بدکاری میں مبتلا ہوگا اور ناجائز تعلقات پیدا کرے گا کیونکہ جب عورت کی رفاقت سے وہ خوشی حاصل نہ ہو سکے جسکا حصول فطرت انسانی چاہتی ہے تو ناچار اس خوشی کے حصول کیلئے وہ اور ذریعے تلاش کریگا ان صورتوں کے لیے تعدد ازواج ہی ایک علاج ہے اور اسی ذریعہ سے ایک گھرا نا خوشحال ہو سکتا ہے۔

نسل انسانی کا قیام | تعدد ازواج کی روکے بعض وقت نکاح کی تیسری غرض یعنی بقائے

نسل انسانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً اگر ایک عورت بائچہ ہو اور اسکا عقم ناقابل علاج ہو تو تعدد ازواج کی ممانعت کی صورت میں قطع نسل لازم آئیگا۔ یہ بیماری عورتوں میں بہت پائی جاتی ہے اور سوا تعدد ازواج کے اور کوئی راہ نہیں جس سے یکمی پوری ہو سکے ایسی صورتیں عورت کو طلاق دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں اور ممکن ہے کہ عورت اور مرد میں ایسی محبت بھی ہو کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکتے ہوں پس بقائے نسل کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں مرد کو نکاح ثانی کی اجازت دیجائے۔ ان وجوہات کے علاوہ جنکا ذکر ہم نے

اوپر کیا ہے اور بھی کئی قسم کے وجوہات ہیں جو تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ مگر ان سب کا تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً بعض وقت کسی عورت کی حالت پر زحیم یا کسی پولیٹیکل یا سوشل نفلت کا قایم کرنا اس امر کی ضرورت پیدا کر دیتا ہے کہ مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر کے ایسا ہی ہزاروں قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا رنگ ہر انسان کیلئے جدا گانہ ہوتا ہے۔

تعدد ازواج کی ممانعت کے نقصان | جو نقصان تعدد ازواج کی ممانعت سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو ہم اس جگہ بیان نہیں کر سکتے۔ ان ممالک میں جہاں تعدد ازواج کی قانوناً ممانعت کی گئی ہے کمزرت زنا کاری محتاج بیان نہیں۔ علاوہ اسکے تعدد ازواج کی روکے اکثر اوقات انسانی

جائین تلف ہوئی ہیں بہت سارے واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں جہاں خاوند بہ سبب اس خوشی کے حاصل ہو چکے جو نکاح کی اصل غرض ہے پہلی عورت کو قتل کر کے دوسرا نکاح کرتا ہے۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری ہشتم ایک موٹی مثال ہے جو ضیکہ اگر ترائیخ پر نظر ڈالی جائے اور عام لوگوں کی ضروریات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ تعدد ازواج ایک ایسی ضروری چیز ہے جس کی ممانعت بہت ساری بدکاریوں کے پیدا کرنے اور مصیبتوں کو لا سکا ذریعہ ہے۔ تعدد ازواج دل کی پاکیزگی کیلئے اور انسان کی ترقی کیلئے ایک ضروری امر ہے۔ مذہب ممالک میں ہزار در ہزار عورتیں اس قسم کی پائی جاتی ہیں جو زنا کاری اور بدکاری کے سبب سے انسانیت کی حالت گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ اور انکو چلپٹوں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ان بچاری عورتوں کا کیا قصور ہے۔ نقص تو اس قانون کا ہے جو انکو جائز طور پر معزز بیویاں اور مائیں بننے سے روکتا ہے اور انکو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی فطری خواہشوں کو گندے اور ناپاک تعلقات کے ذریعہ سے پورا کریں اس قانون کو دور کر دو اور یہی عورتیں ویسی ہی معزز اور نیک ہو جائیں گی جیسے بہت ساری نیک بیویاں ہیں سو گنا چنڈا ایسی عورتوں کے جو فطرتاً ہی بدکاری کی طرف مائل ہوں۔ تعدد ازواج زنا کاری کے خلاف بڑی روکے۔ تعدد ازواج پر عمل کر کے مرد اور عورتیں دونوں نیک رہ سکتے ہیں لیکن تعدد ازواج کی ممانعت ایک بہت بڑی تعداد کو مجبور کرتی ہیں کہ وحشیوں کی طرح ایک دوسرے سے زنا کاری کریں۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند | تعدد ازواج کی ضرورت کے ان وجوہات کو ناقابل تردید پارک بعض لوگ بلا سوچے سمجھے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض وقت ایک عورت کو ایک سے زیادہ خاوند

رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے یہ درست نہیں۔ سب سے بڑی وجہ جو تعدد ازواج کی ضرورت پر ہم نے بیان کی ہے وہی ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے کی تردید کرتی ہے۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ تعدد ازواج کی سب سے بڑی

ضرورت یہ ہے کہ عورت کو بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہوں کہ وہ بعض وقت ایک بڑے لمبے عرصہ تک اس قابل نہیں ہوتی کہ ان تمام فرائض کو جو بحیثیت بیوی ہونیکے اسے ادا کرنا چاہیے پورے طور پر ادا کر سکے مثلاً ایام حیض یا ایام حمل یا وہ ایام جو وضع حمل کے بعد آتے ہیں اس صورت میں جو مرد قوی الشهوت ہیں وہ مجبور ہوتے ہیں کہ کفاح ثانی کریں یا اگر قانون اس کا مانع ہو گا تو وہ زنا کاری میں مبتلا ہونگے ایسے عوارض جہاں کل کے کل عورت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں مردانہین سے کسی کا حصہ دار نہیں پس جس مساوات پر زور دیا جاتا ہے وہ خود قدرتی ہی نہیں رکھی اور نہ ہی اب تک یورپ کی تہذیب نے ان عوارض میں سے بعض مرد کے ذمے ڈال کر اس فرضی مساوات کو اصلی کر دکھایا ہے۔ ہاں اگر ایسا ہو جائے کہ ان عوارض میں سے بعض مرد کو لگ جائیں اور بعض عورت کے شامل حال ہیں تو البتہ تعدد ازواج اور ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا مسئلہ ایک ہی سطح پر آجائے لیکن جب تک یہ صورت نہیں ہوتی اور قانون قدرت اسباب میں مرد اور عورت میں مساوات نہیں رکھتا تو خود قانون قدرت ہی تعدد ازواج کا مؤید ہے اور اس دو سر خیال کی کہ کیوں ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں تردید کرتا ہے۔

بقائے سلسلہ نسل انسانی سے
بھی ہی شہادت پیدا ہوتی ہے

پھر تعدد ازواج کی ضرورت پر ایک اور بڑی بھاری وجہ یہ بیان کی گئی تھی کہ اس سے بقائے سلسلہ نسل انسانی میں مرد و عورت کے ایک ایک مرد و عورت کے مختلف بیویوں سے مختلف لاد پیدا کر سکتا ہے۔ مگر کیا ایک ہی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے سے یہ غرض حاصل ہو سکتی ہے۔ کیا ایک عورت جسکے خاوند زیادہ ہوں وہ ایک خاوند والی عورت کے زیادہ بچے پیدا کر سکے گی پس عورت اور مرد کے درمیان یہ ایک بڑا سرا بھاری امتیاز ہے جو خود قدرتی ہی رکھا ہے۔ اور یہ امتیاز تعدد ازواج کی ضرورت کو ثابت کرتا اور اس دوسرے ناپاک خیال کی جو تعدد ازواج کے بالمقابل پیش کیا جاتا ہے تردید کرتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں تو بہت موجود ہیں کہ ایک مرد جس نے دو یا تین بیویاں کیں اسکے ہاں دو یا تین ویرین یا اس سے بھی زیادہ اولاد پیدا ہوئی ہو۔ مگر کاش کہ کسی عورت کی بھی ایسی مثال پیش کی جاتی جو ایک سے زیادہ خاوند کر کے معمولی سے دگنے یا تین گنے بچے پیدا کر سکی ہو۔ بلکہ برخلاف اسکے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک سے زیادہ خاوندوں سے عورت کی معمولی طاقت بچے پیدا کرنے کی بھی ضیاع ہو جاتی ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا پس جس صورت میں تعدد ازواج نسل انسانی کے بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے یہ دوسری رسم جو بعض وحشی قوموں کے درمیان رائج رہی ہے نسل انسانی کو کم کر دینا کا ذریعہ ہے اور اس طرح اول الذکر رسم ممد غرض نکل ہو کر ضروری ٹھہر جاتی ہے۔ اور مؤخر الذکر مخالف غرض نکل ثابت ہو کر رد کرنے کے قابل ہے۔ علاوہ ازیں تعدد ازواج کی صورتیں ہر جگہ پائی

اور باپ معین ہوتے ہیں اسی طرح پر جیسے ایک بیوی کی صورت میں ان کی تعیین ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح والدین کی صحیح صحیح تعیین کے ساتھ نسل انسانی کا قیام رہ سکتا ہے لیکن جہاں ایک عورت کے زیادہ خاوند ہوں گے وہاں یہ غرض بھی مفقود ہوگی اور والد کا پتہ ملنا محال ہوگا اس طرح پر تعیین نسل ہرگز نہیں ہو سکے گی۔ اب نکاح کے تین بڑے اغراض ہوتے قرار دیئے تھے یعنی تقویٰ کا قیام رکھنا نسل انسانی کے سلسلہ کا جاری رکھنا اور تعیین والدین اور پتہ یہ دکھایا ہے کہ ان تینوں اغراض کے پورے کرنے کے لیے بعض وقت تعدد ازواج ضروری ٹھہرتا ہے۔ اور یوں ممد اغراض نکاح ہونیکے سبب سے نکاح کی طرح تعدد ازواج بھی انسانی سوسائٹی کیلئے ضروری ہے لیکن ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیسے تینوں اغراض کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اسلئے مخالفت اغراض نکاح ہونیکے سبب سے یہ رسم رد کرنے کے قابل ہے۔

ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونیکے رسم ایک ناپاک اور وحشیانہ رسم ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا کی کسی مذہب قوم یا دنیا کے کسی مقدس بانی مذہب کے اس رسم کو جائز نہیں رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں بلکہ اگر کبھی اس پر عمل ہوا ہے تو وحشی اقوام کے اندر ہی ہوا ہے جو ہنوز تمدن انسانی سے واقف نہیں ہوئی تھیں علاوہ ازیں جس صورت میں یہ رسم مروج رہی ہے اس سے بھی یہی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ یہ رسم تعدد ازواج کی طرح کسی ضرورت کے لیے رائج نہیں ہوئی بلکہ نکاح کا صحیح خیال مفقود ہونیکے باعث مروج رہی ہے۔ عام طور پر جہاں اس کا رواج رہا ہے وہاں اس صورت میں رہا ہے کہ ایک عورت تمام بھائیوں کی مشترکہ عورت سمجھی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشی اقوام کے اندر عورت کو بھڑون بیلون اور زمینوں کی طرح تمام بھائیوں کی جائیداد مشترکہ سمجھا گیا تھا اور اس کو کوئی حقوق نہیں دیئے گئے۔ اس رسم اصل محرک کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف یہ ابتدائی وحشیانہ خیال کہ عورتیں بھی جائیداد کا ایک حصہ ہیں اور اسی لیے ایک بھی مذہب قوم ایسی نہیں کیجا سکتی جس نے اس رسم کو انسانی سوسائٹی کی بہتری کا ذریعہ سمجھ کر اس پر عمل کیا ہو۔ پس اس وحشیانہ رسم کو تعدد ازواج کے مقابلہ پیش کرنا محض حماقت ہے۔

تعدد ازواج کا مسئلہ نکاح کے صحیح خیال کے پیدا ہونیکے بعد پیدا ہوتا ہے اور اسکی ضرورت اسلئے محسوس ہوتی ہے کہ وہ انہیں اغراض کا معاون ہے جو مذہب سوسائٹی نے نکاح کے اغراض قرار دیئے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں بغیر اسکے وہ اغراض حاصل بھی نہیں ہو سکتے گویا انسانی ضروریات کے وسیع دائرہ میں تعدد ازواج ایک بیوی سے نکاح کے نقص کو دور کرنے والا ہے۔ اور جب نکاح کی اصلی غرض ایک بیوی سے حاصل نہ ہو سکے تو دوسری بیوی سے نکاح جائز سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام میں تعدد ازواج کے مسئلہ کا یہی منشا ہے جیسا کہ ہم اس مضمون کے دوسرے حصہ میں چل کر بیان کریں گے۔

اس قدرتی امتیاز سے
کیا شہادت پیدا ہوتی ہے

اب غور کرنا چاہئے کہ یہ امتیاز جو خود قدرت نے پیدا کیا ہے اس کی انتہی نکلتا ہے خدا تعالیٰ نے مرد اور عورت کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ایک مرد ایک سے

زیادہ عورتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن ایک عورت کا ایک زیادہ مردوں سے تعلق رکھنا کسی فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا بلکہ الٹا نقصان کا باعث ہے یہ امتیاز مرد اور عورت کے درمیان جو خود خدا کے ہاتھ نے تجویز کیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ قدرت نے اس کو تو جائز رکھا ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے تعلق کرے لیکن اسے جائز نہیں رکھا کہ ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں اگر یہ دونوں باتیں یکساں طور پر قابل اعتراض ہوتیں تو قانون قدرت الہی ان کے درمیان ایسا فرق تجویز نہ کرتا بلکہ دونوں جنسوں کو یکساں حالت میں رکھتا تا ان دونوں امور کے متعلق ایک ہی شہادت پیدا ہو اور اگر جائز نہ ہوں تو دونوں ہوں ورنہ دونوں قابل رد ہوں لیکن قانون قدرت نے ایسا نہیں چاہا اور جو شخص ان دونوں باتوں میں وہ پہلو اختیار نہیں کرتا جسکی شہادت قانون قدرت کے ملتی ہے وہ خدا کے قانون قدرت کے

انبیاء علیہم السلام
کا کیا طریق رہا

یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نبی نے وحی الہی کی روشنی سے اس بات کو دیکھ لیا کہ تعدد ازواج انسانی ہستی کی ضروریات میں سے ہے اور اس کا دروازہ کبھی انسانوں کے لیے بند نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس سری وحیانیہ رسم کو یعنی ایک عورت کے زیادہ خاوند ہونے کو کسی نبی نے جائز نہیں رکھا اگر تعدد ازواج کا مسئلہ بھی اس سری رسم کی طرح کے اصلی اغراض کی ناجہی کے باعث ہوتا تو کوئی نہیں تھی کہ وہی نبی جنہوں نے تعدد ازواج کو جائز رکھا دوسری رسم کو جائز نہ رکھتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نکاح کی اغراض کو مد نظر رکھ کر ہی تعدد ازواج کی اجازت دی اور دوسری وحیانیہ رسم کی بھیجی کی بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اور بیسوں نے تو تعدد ازواج کو جائز رکھا مگر حضرت مسیحؑ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ یہ سخت غلطی ہے جس قدر مسیحؑ کے اقوال چار انجیلوں میں مذکور ہیں انہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو تعدد ازواج کا ملغ ہو۔ اگر حضرت مسیحؑ کے نزدیک تعدد ازواج بدکاری ہوتی تو ممکن نہیں کہ وہ اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہ بولتے حالانکہ ان کے وقت میں اس کا کثرت سے رواج تھا۔ اور بتو ایک عیسائی فرقہ اس بات کا قائل بھی پیدا ہو گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی تین بیویاں تھیں علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بھی یوسف کی دوسری بیوی ہی تھیں دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو وہ تعدد ازواج کو جائز نکاح سمجھتے ہوں اور یا تعدد بالسد زنا کا خیال کرتے ہوں لیکن ان کی خاموشی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تعدد ازواج کو ہرگز ناہنیں سمجھا کیونکہ ممکن نہیں تھا کہ اپنے چار و نظرت اسکی کثرت کو دیکھ کر بلکہ خود اپنے گھر میں اس فعل کو ہوتا ہوا دیکھ کر وہ چپ رہتے حالانکہ ان کے نزدیک یہ فعل سخت منع تھا پس سو اُس کے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی تعدد ازواج کو جائز نکاح سمجھتے تھے اور اس کے لیے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ ہر ایک نبی نے تعدد ازواج کو جائز سمجھا ہے۔ تمام نبیوں کی متفقہ شہادت تعدد ازواج کے متعلق قطعی طور پر اس کے جواز کو ثابت کرتی ہے اور یہ کہ کی چھوٹی سی باتیں کہ تمام انبیاء کا اس بات پر

ص کی اور خدائی مخالفت کرتا ہے

اتفاق ہوا اگر اس میں کوئی بھی نقص ہو تا تو تمام صاحبِ حق معلم اس نقص سے نا آشنا نہ رہ سکتے تھے۔ اس مضمون کے باقی دو حصوں پر اگلی اشاعت میں بحث کریں گے۔ (باقی آئندہ)

آریہ سماج کی سخت زبانی

یہ امر بہت ہی رنجیدہ ہے کہ آریہ سماج اپنی مذہبی تحریرات سے جن سخت بد زبانی اور دل آزاری سے کام لیا جاتا ہے۔ عداوت اور دشمنی کا ایسا بیج بوتا ہے جس کا نتیجہ کسی صورت میں اچھا نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی تیز زبانی اور دریدہ دہنی ایسی حد سے گزر گئی ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں غریب اور امن جو قوموں کو عدالتوں میں چارہ جوی کر رہی پڑی ہے تاکہ اگر اور کسی طرح سے یہ لوگ نہیں رک سکتے تو قانون کے ڈر سے ہی رُکے رہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کی بھی کچھ پروا نہیں اور باوجودیکہ ان مذہبی مقدمات میں آریہ سماجیوں کو سزا مل رہی ہیں مگر کچھ بھی اس بات سے نہیں رُکے جس سے روکنے کیلئے یہ سزائیں دی گئی ہیں بلکہ بجائے نرم پیرائے اختیار کر نیئے اور بھی گالیوں جینے اور غیر مذہبانہ حملے کر رہیں ترقی کی ہے جیسا کہ بعض تازہ تحریریں اس امر پر گواہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانیت سے غالی ہونیکے سبب سے اس فرقہ کو اور کوئی راہ مذہبی مبہاشات کی نظر نہیں آتی سوئے اس کے کہ نہایت گندے اور ناپاک اور فحش الفاظ میں ان مقدسوں کا ذکر کریں جن کو کروڑوں لوگ اپنا مادی اور رہبر سمجھتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈران دل آزار تحریریں لکھتے ہیں اور یا اگر وہ دراصل انہیں ناپسند کرتے ہیں تو ان کا اس قوم پر اتنا اثر نہیں کہ ایک بیجا طرقتی سے جس سے اندیشہ ہے کہ ملک کے امن میں فساد پیدا ہو ان پر جوش و جہالت کو روکیں جو حد سے گزر رہے ہیں۔

مذہبی مبہاشات | آریہ سماج کی مذہبی تحریریں دراصل ایک نمونہ ہیں اس قابل افسوس طرز کا جس طرز میں بہت سارے مذہبی مبہاشات ہندوستان میں ہوئے ہیں اگرچہ بلحاظ بد زبانی کے کسی تحریر کو ان لوگوں کی تحریروں سے کوئی نسبت نہیں ان مبہاشات میں جو اس ملک کے اندر مذہبی رنگ میں ہوئے ہیں اکثر کو پڑھ کر مباحث کی نیک نیتی اور حق جوئی نہیں پائی جاتی بلکہ اس کی لغو نکتہ چینی صرف اسی نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ لکھنے والے کے دل میں نہ دین کی عظمت اور نہ خدا کا خوف ہے آریہ سماج کے مبہاشات کے کئی ہزاروں ورق کو پڑھ جاؤ یہ نہیں معلوم ہو گا کہ ان لوگوں کو دل کی پاکیزگی سے جو مذہب کی حقیقی روح ہے اس تک بھی ہے اصل اور

اہم سوال جسے کسی مذہب کی صداقت کا فیصلہ ہو سکتا ہے چھوٹے بھی نہیں جانتے اور عمداً ان سے گریز کیا جاتا ہے صرف ایسی باتوں کوئی معقول جواب ان کے مذہب میں موجود نہیں ہے اور ان مصنفوں کی تمام علمیت اسی میں ختم ہو جاتی ہے کہ بد زبانی کے نئے نئے پیرائے ایجاد کر کے گالیوں کی لہجے کے دائرہ کو وسیع کیا جائے اس قسم کے مباحثات جاہلوں کو تھوڑی دیر کیلئے خوش کر دیتے ہیں اور ان کی غرض ہوتی بھی اسی قدر ہے لیکن ان کا اثر سوائے اسکے کہ دو قوموں میں کینہ بڑھے اور کچھ نہیں ہوتا۔ نہیں معلوم ان مباحثات سے آریہ سماج کو کتنا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو اس طریق کی اصلاح نہیں کی جاتی حالانکہ ان کا نقصان اب کھلا کھلا یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدالتوں تک نوٹ پہنچ گئی ہے اور سویا ہوا کینہ پھر جاگ اٹھا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مذہبی مباحثات کا دروازہ بند کیا جائے کیونکہ یہ مذہبی آزادی جو اس گورنمنٹ کے نیچے ہم کو حاصل ہے یہ خدا کی ایک نعمت ہے مگر اس نعمت کا ہمیں شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اس کو جائز طور پر استعمال کر کے یہ دکھانا چاہئے کہ ہم اس کی قدر کرتے ہیں نہ یہ کہ اسے ناجائز فائدہ اٹھا کر فتنے اور فساد برپا کیے جاویں۔

خالی اعتراض کرنے اور
نکتہ چینی سے کچھ حاصل نہیں

ہم اسے خیال میں مذہبوں کے اس جنگ میں جو اس وقت شروع ہے اصلی سوال جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکتا ہے بہت پیچیدہ نہیں مگر اس سوال کا جواب دینے سے وہ لوگ جو حق پر نہیں عمداً اعراض کر رہے ہیں کیونکہ اس کا کوئی معقول جواب ان کے پاس موجود نہیں نتیجہ یہ ہے کہ مباحثین کا کل زور اسی بات پر ہے کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کیے جاویں اور اسی میں ان کی کل کوشش ختم ہوتی ہے یوں ہر ایک غیر ضروری بات بحث کے نیچے آ رہی ہے اور مباحثات سے کوئی بات صفائی سے حل نہیں ہوتی بلکہ ضروری اور غیر ضروری اعتراضات کا گڑبڑ مچا ہوا ہے چھوٹے چھوٹے مباحثین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جس کے وجود سے ملک کو اور حق کو فتنہ بہت کم اور ضرر بہت زیادہ پہنچ رہا ہے جو دن رات اس ان تھک کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کتابوں کی ورق گردانی کر کے ہر لفظ یا ہر خیال پر کچھ نہ کچھ اعتراض پیدا کر لیں اس طریق سے کس دعا کا حصول انہوں نے مد نظر رکھا ہوگا اس کا جواب ہم کچھ نہیں دے سکتے اگر ایک مذہب اپنی خوبی سوائے اسکے کچھ نہیں دکھا سکتا کہ دوسرے مذاہب پر اعتراض کرنے میں وہ بڑا مشاق ہے تو اس سے اس کی صداقت کا پتہ نہیں ملیگا اور نہ ہی جس پر اعتراض کیے گئے ہیں اس کا باطل ہونا یقینی اور قطعی ہو جائیگا۔ سوائے اسکے کہ کسی مذہب کے اصل اصول پر اعتراض کیے جاویں جو ان مباحثات میں معدوم نہیں تو نادر ضرور ہو رہا ہے معمولی طور پر ہر ایک فریق ان اعتراضات کو جو دوسرے مذاہب پر کیے جاویں سچے سمجھ لیتا ہے اور جو اعتراض خود اسی پر ہوں ان کو جھوٹے تصور کر لیتا ہے اور اگر ایک ہر پر ہے تو وہ کل اعتراضات کو صحیح سمجھ لیتا ہے پھر اس طریق سے کیا حاصل ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بالفرض کسی مذہب کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ اسکے برخلاف

جس قدر اعتراض کیے جاتے ہیں اسکے پاس انکو غلط سمجھنے کے وجوہات کافی ہیں تو پھر بھی یہ امر اس مذہب کی صداقت کا ثبوت قطعی نہیں ہو سکتا۔ مذہب کی اصل غرض صرف اسیقدر نہیں کہ بعض ناقابل اعتراض باتیں بیان کر دے اور جو مذہب صرف اسیقدر کام کرتا ہے اور اس سے آگے کچھ نہیں کر سکتا وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ مذہب کی اصل اور اہم غرض تو یہ ہے کہ وہ اپنے معتقدین کی زندگیوں میں کوئی نمایاں اثر پیدا کر کے دکھائے اور انکی ناپاک زندگیوں کو پاک حالتوں میں بدل دے۔ دنیا میں بہت ساری سچی باتیں ہیں جن کو بیان کر نیسے ہماری زندگیوں پر انکا کوئی نیک اثر نہیں پڑ سکتا۔ پس صرف اسیقدر کہ مذہب کی غرض کھڑا دنیا غلطی ہے۔

مذہب کا پہلا فرض ہستی باری تعالیٰ پر یقین تمام پیدا کرنا ہے۔

مذہب کی اصل اور اہم مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور یگانگت پیدا کر کے انسان ہر ایک قسم کے گند اور ناپاکی سے نجات پائے۔ اسکے لیے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی سچی معرفت حاصل کرے اور اس کی ہستی پر بصیرت کے ساتھ یقینی اور قطعی علم حاصل ہو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یہی یقینی ایمان نہیں تو انسان اس سے تعلق کیا پیدا کر سکتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر حسب قدر دلائل عقل سے یا ملاحظہ مخلوقات سے ملتی ہیں اول تو اسے قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی پیدا نہیں ہوتی کہ واقعی اللہ تعالیٰ موجود ہے ہاں صرف ضرورت صانع کی ثابت ہوتی ہے اور علاوہ ازین یہ دلائل کسی خاص مذہب کے تو حاصل نہیں ہوئے پھر کسی مذہب کو ان دلائل سے کیا تعلق کیونکہ اگر کوئی مذہب نہ بھی ہوتا تو بھی یہ دلائل تو موجود ہوتے۔ پس جو مذہب ان عقلی دلائل کے سوا اور کوئی دلائل ہستی باری تعالیٰ پر پیش نہیں کر سکتا ایسے دلائل جو اپنے اندر قطعیت کا رنگ رکھتے ہوں اسکا خدا کی طرف سے ہونیکا دعویٰ اسی جگہ باطل ثابت ہو جاوے گا اور اسکی طرف سے دوسرے مذہب پر یا خود ایسے مذہب پر لمبے چوڑے اعتراضوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور خواہ اسکے عقاید کیسے ہی ناقابل اعتراض ہیں مگر محض اسوجہ سے کہ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں خدا کی طرف سے ہونیکا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا مذہب کوئی نیا علم نہیں دیتا۔ سوائے اسکے جو خود عقل انسانی نے دریافت کیا ہے۔ علاوہ ازین جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں خالی عقل کی شہادت قطعی شہادت خدا کے موجود ہونے پر نہیں بلکہ صرف اسکی ضرورت کی شہادت ہے۔ ایسی جو مذہب عقلی شہادت کے سوائے اور کوئی شہادت وجود باری تعالیٰ پر پیش نہیں کر سکتا اسکا منہج بھی عقل ناقص ہی ہوگی نہ خدا جو کامل ہے۔ ایسی کسی مذہب کی صداقت پر کہنے کیلئے سب سے پہلے ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس نے باری تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا کرنے کے لیے کونسی راہ بتائی ہے۔ پس اس جنگ مذہب میں ہر ایک مذہب کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ وہ راہ دکھاوے۔ جس راہ پر چلکر انسان کو ہستی باری تعالیٰ کے متعلق یقین تمام پیدا ہو سکتا ہے۔

مذہب کا اثر انسان کی زندگی پر

اگر مباحثات میں اس امر کو مد نظر رکھا جائے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے تو بہت سارے مباحثات کا اسی جگہ خاتمہ ہو جاتا ہے ہاں کچھ دعویدار باقی رہ جاتے ہیں جن کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ اس دعوے کی دلیل ان کے ہاتھ میں کیا ہے یعنی آیا اس دعوے کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

مذہب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی پر یقین تام پیدا کر لیا اور بتایا ہے کہ اس کے پیروؤں کوئی اثر بھی ہے یا نہیں کیونکہ اس سے کہیں کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اگر ایک شخص پر یقین کے ساتھ خدا کی ہستی رکھتا ہے تو اس کا قدم ایک لمحہ کیلئے بھی خدا کی مخالفت میں نہیں اٹھ سکتا جن لوگوں پر اس یقین نے پورا تسلط کر لیا ہے کہ ایک بزرگ ہستی موجود ہے جو انسان کے دل کے اندر دینی خیالات کے بھی واقف ہے اور جو مخالفت کرنے والوں کو ایک دم میں ہلاک کر سکتی ہے تو ممکن نہیں کہ پھر اسی دین کوئی گندہ اور ناپاک خیال یا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خیال قائم رہ سکے اس لیے مذہبی مباحثات کے اندر دوسرا اہم امر یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ کسی مذہب کا اپنے پیروؤں کی زندگی پر یہ اثر ہے کہ نہیں؟ کہ وہ انکو ہر ایک قسم کی ناپاکی سے نجات دیکر ایک پاک تبدیلی ان کے اندر پیدا کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ایسے مذہب میں چلے کہ شیطان کے دوسو سونے بالکل محفوظ ہے تو ثابت ہو گا کہ ایسا مذہب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتا اور ایسے اس مذہب سے وہ راہ بھی نہیں مل سکتی جس پر چل کر انسان کو ہستی یا توحید پر یقین تام حاصل ہو سکے جو جس کے اس مرحلہ پر اور بہت سارے دعویدار لاگ ہو جاویں گے۔

مذہب کی سچائی کا امتیازی نشان

مگر میان بھی اس بحث کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہوتا کیونکہ پائیرنگی کے کئی ایک دعویدار پیدا ہو جاویں گے اور یہ شکل ہے کہ ہر ایک دعویدار کے دعوے کو مثالیں دیکر توڑ سکیں کیونکہ ایک انسان کسی دوسرے شخص کی نسبت کیا کہہ سکتا ہے کہ اس کی زندگی کیسی ہے۔ علاوہ اسکے برعکس ایسے افعال ہیں جن کے متعلق سب کا اتفاق نہیں ہو سکتا کہ آیا وہ گناہ میں شامل ہیں یا نہیں اس لیے کوئی ایسا امتیازی نشان ہونا چاہئے جس سے اس دعوے کو آسانی سے پرکھا جاسکے یا یوں کہہ دو کہ کوئی ایسا نشان ہونا چاہئے جو قطعی طور پر فراق بین الحق والباطل ہو۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو تاریکی میں ہی رکھنا چاہا ہو اور سچے مذہب کا کوئی ایسا نشان نہ رکھا ہو جس کے ذریعے سے ہر ایک بجائے خود اسے پرکھ کر اختیار کر سکے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حق اور باطل کے درمیان خدا تعالیٰ نے کوئی امتیازی نشان نہ رکھا ہو مگر اللہ تعالیٰ انسان کو اسے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی رضا کے تابع ہو کر چلے اور اس کی مخالفت کی راہوں میں قدم نہ رکھیں تو ضرور ہے کہ اس نے اس راہ کی کوئی ایسی علامت رکھی ہو جس سے جھوٹی راہیں خالی ہوں پس اس امر سے کسی صورت میں انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایسا امتیازی نشان ضرور ہونا چاہئے جس سے طالب حق جھوٹے اور سچے مذہب کے درمیان فرق کر سکے اور یہی امتیازی نشان ہی ایک ایسا ذریعہ ہو سکتا ہے جو بالآخر

اس عظیم الشان مذہبی جنگ میں حکم کا کام دیکر اس جنگ کو ختم کر سکتا ہے۔ اور ایک اور ایک ہی مذہب کو سچا ثابت کر کے باقی سبکے..... بطلان کو بدیہی طور پر دکھا سکتا ہے پس ضروری اور اہم سوال کل مباحثات میں یہی ہونا چاہئے کہ وہ امتیازی نشان جو حق اور باطل میں فرق کر سکتا ہے کیا ہے۔ اور وہ نشان کس مذہب میں پایا جاتا ہے اور کونسے مذاہب اس سے خالی ہیں صرف اس قدر امر کا فیصلہ ہونی سے ہم ان مباحثات کے دل آزار طریق سے نجات پاسکتے ہیں۔

وہ امتیازی نشان کیا ہے
اور کہاں پایا جاتا ہے کہ

سچے مذہب کا امتیازی نشان یہ ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت یہ تائید ملتی ہے کہ وہ آسمانی نشان دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ اس امر کے کسی کو انکار نہیں کہ ہر ایک مذہب کے ابتدا میں ہی دعویٰ کیا تھا اور اسی امتیازی نشان سے اس وقت کے موجودہ مذاہب پر فتح پائی تھی پس اگر ایسا امتیازی نشان حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے ابتدا میں ضروری تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ انیوالی سلسلوں کو وہی امتیازی نشان نہ دیا جائے بلکہ انکو تاریکی میں رکھا جائے پس اسی امتیازی نشان کے ذریعہ سے ہم ان لوگوں کے دعاوی کو پرکھیں گے جو پاکیزگی کے مدعی ہیں اور یہی امتیازی نشان جو ایک طرح پر سب مذاہب کے نزدیک مسلم ہے اس جنگ مذاہب میں فیصلہ کن امر ہوگا۔ یہ امر کہ واقعی یہی وہ امتیازی نشان ہے جو اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کے لیے رکھا ہے۔ صرف اسی سے شائبہ نہیں کہ ہر ایک مذہب کی ابتدا میں یعنی جب وہ مذہب انسانی غلطیوں سے پاک تھا یہ نشان ضرور پایا جاتا تھا بلکہ غور کر نیسے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی امتیازی نشان حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے ہونا چاہئے کیونکہ صرف آسمانی نشان ہی ایک ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین تام اور ذات باری کی معرفت تامہ پیدا ہو سکتی ہے اور یہ ہر مذہب کی مسلمہ غرض ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بدی سے بچنے کیلئے غیر معمولی ایمانی قوت درکار ہے اور غیر معمولی طاقت نہیں پیدا ہو سکتی جب تک انسان سستی یا رینغالی پر خارق عادت نشان نہ دیکھ لے پس اصلی سوال جو کل مباحثات کو طے کر سکتا ہے۔ ایک نہایت ہی مختصر اور سیدھا سوال ہے جس کے حل کرنے کے لیے کوئی ایسی بات درکار نہیں۔ جو معمولی انسانوں کی قوت کے باہر ہو۔ طالب حق کو صرف اس قدر دیکھنا چاہئے کہ وہ کونسا مذہب ہے جس میں اللہ تعالیٰ خارق عادت آسمانی نشان ظاہر فرماتا ہے۔ اس مرحلہ پر پہونچ کر ہم دیکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی مدعی اس میدان میں ہے اور اسکے سوا کسی کو جرات نہیں جو اس میدان میں آئے یا اسکے مقابلہ پر کمر ہمت باندھ سکے یہ مدعی ہے اسلام کا پاک مذہب مگر نہ وہ اسلام جس میں انسانوں نے غلطیاں ملادی ہیں۔ بلکہ اصلی اسلام جسکی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا یا۔ اور جسکو آج اس ذات اطہر کا نابین حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام پیش کر رہے ہیں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس امتیازی نشان میں اس طامی اسلام کا مقابلہ کرنے کی جرات

کی ہوا اور جس نے جرأت کی نیچا دیکھا۔ خود آریہ سماج نے بھی اپنے ایک لیڈر کی موت میں ایسا ایٹنا زاری نشان دیکھا مگر افسوس کہ پھر بھی گندہ زبانی سے کام لیا۔

دھرم پال کی گندی تحریریں | آریہ سماج اس امر کا ثبوت تو دینے سے رہا کہ آئین سچے مذہب کا

ایٹنا زاری نشان پایا جاتا ہے اس لیے اب اس نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ جس قدر ممکن ہو دوسرے مذاہب کی نسبت سخت زبانی کی جاوے۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا ہوگا جس دن کوئی آدمی کسی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب اختیار کرتا ہو مگر آریہ سماج میں کسی شخص کا داخل ہونا سماج کیلئے ایک ایسی عجیب نئی بات ہے کہ ہر کس و ناکس کے ارتداد پر دنیا میں ایک شور برپا کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ گزرتا ہے کہ ایک شخص نے جس کا نام اسکے والدین نے غلطی سے عبد الغفور رکھا تھا آریہ سماج میں داخل ہو کر دھرم پال اپنا نام تجویز کیا۔ تبدیلی مذہب کے وجوہات دینے کی بجائے اس نے ایک کتاب ترک اسلام شائع کی جس میں اسلام پر حسب معمول آریہ سماج کچھ اعتراض اکٹھے کیے گئے اس کتاب کا جواب کئی مسلمان مناظرین کی طرف سے شائع ہوا جس پر دھرم پال صاحب کو اس قدر جوش آیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب تہذیب الاسلام کے نام سے شائع کر کے آئین دل کھول کر مسلمانوں کے خدا اور پیغمبر کو گالیان دی ہیں۔ طرز تحریر ایسا ہے کہ منانیت مس بھی کر گئی نہیں معلوم ہوتی اس کتاب میں اس قدر تیز زبانی اور ہلکا پن سے کام لیا گیا ہے کہ پڑھنے والا ایک لمحہ کیلئے بھی مصنف کے متعلق اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے حقارت آمیز کلمات کو بار بار دہرایا ہے جس سے ایک مسلمان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کتاب کو شروع ان الفاظ سے کیا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا فریبی کون ہے اور بہت سے مسخر اور استہزاء کے بعد اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ٹھگن اور چوروں اور کسبہ بردوں غرضیکہ دنیا کے ہر ایک بد معاش اور لچے سے بڑھ کر فریبی (نعوذ باللہ) مسلمانوں کا خدا ہے اور پھر اس جواب پر سیفہانہ ہنسی کی ہے اسکے بعد کوثر اندیش مصنف اسی استہزاء کے رنگ میں اسی قسم کے حقارت آمیز اور گندے کلمات کو دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ میا کاناہ اور گندہ طرز تحریر اختیار کرتا ہے کہ نعوذ باللہ من ذلک کیا وہ چوروں کا سردار ہے۔ کیا رہنروں کا سرغنہ ہے کیا لومڑیوں کا پیشرو ہے کیا درندوں کا سرگروہ ہے۔ کیا ٹھگنوں کا گوردہ ہے کیا مٹی ہے پتھر ہے اینٹ ہے روڑا ہے اونٹ ہے ہاتھی ہے اسی قسم کے ہفواتے صفحہ بعد صفحہ بھرا ہوا ہے۔ (دیکھو تہذیب الاسلام صفحہ ۱۱) لیکن نہیں کہ اس گندے بعد پھر کوئی نرمی ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گندے جلا جاتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ناظرین کے دل کو دکھایا جاوے اس لیے ہم اسکی عبارتیں بھی نقل نہیں کرتے مثال کے طور پر یہ چند لفظ ہٹے لکھ دیے ہیں لکھنے والی کو نہ ملا کے قانون کی کچھ پروا ہے اور نہ ہی شائستگی کا پاس ہے۔

اور نہ ہی یہ خیال ہے کہ آخر یہ چھ کر ڈر لوگ جسکے دل وہ اس جرأت کے دکھارہا ہے اسی گورنمنٹ کی رعایا ہیں یہی آزادی دینے سے قانون کا یہ منشا کبھی نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اسی بنیادی اور دریدہ دہنی کی اجازت نہجاً دے۔ جو مصلح الی الشریعہ اگر ان دو قوموں کے درمیان جوابی صلح اور امن سے ایک دوسرے کے پہلو میں گزارہ کر رہے ہیں کبھی کوئی فتنہ یا فساد ہو تو اسی قسم کے مصنفوں کی تحریریں اسکی ذمہ دار ہونگی۔ کاش کہ کوئی آریہ سماج کا خیر خواہ سماج کو سمجھا دے کہ ایک شخص اپنی کوتاہ اندیشی سے وہ دشمنی کا بیج بوریہ ہے جسکا پھل کسی صورت میں نیک نہیں ہو سکتا ہندو اور مسلمان کے تعلقات بجائے بڑھنے کے ایسی تحریر دے اور بھی کشیدہ ہو گئے جسقدر سختی اس نے ان لوگوں پر کی ہے جنہوں نے اسکی کتاب کا جواب لکھا تھا اسکو ہم نظر انداز کر سکتے ہیں کیونکہ جو ش کی وقت بعض وقت انسان ہٹ کر گذر جائیں معذور ہوتا ہے۔ مگر یہ بیوجہ کو سنا اور تحقیر کرنا احمد اؤ کہ دینے کیلئے کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے دل کو زخمی کیا گیا ہے۔ کو سنا مسلمان ہے جسکا دل اس قسم کے فقر و کسوتوں کو کڑے کڑے نہیں ہو جاتا جیسے تارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک شان میں بیوجہ لکھے گئے ہیں مثلاً صفحہ ۹۰ پر فرمودہ اللہ آنحضرت کی نسبت معلم الملکوت کا لفظ۔

آریہ سماج کے لیڈروں کا فرض ہم نہیں سمجھتے کہ اس سخت کلامی سے آریہ سماج کو کیا حاصل ہو گا بلکہ اور مضرت کے علاوہ خود ہمالیکے دل پر ایسی تحریر دے آریہ سماج کے متعلق ٹی

ابھی رائے پیدا نہیں ہو سکتی کیا وہ لوگ جو دوسرے مذاہب اختیار کرتے ہیں ان کا بھی یہی طریق ہے ابتدا میں بعض عیسائیوں نے بغلط راہ اختیار کی تھی مگر آریہ سماج کی تحریک نے بالقابل وہ تحریریں گویا کچھ بھی نہیں بہاروں آدمی اسلام میں غل ہوتے ہیں مگر کون اس طرح ان بزرگوں کو گالیاں دیتا ہے جسکے مذاہب میں وہ پہلے تھا بہت عزیزین ہوا کہ ڈاکٹر نشی کنت چتو پدھیا پرنسپل حیدر آباد کالج نے مذہب اسلام اختیار کیا اللہ اسکے درجات دیکھو وہیں بیان کیے جو اسوقت سالوں کی صورت میں چھپے ہوئے ہیں انکو شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ مگر ایک لفظ بھی اس قسم کا نہیں ہو گا جس سے کسی کو ناحق رنج پہونچا نہ کہ اللہ کیا گیا ہو مذہب میں تو صرف اصول دیکھنے ضروری ہیں اور ذہنیات پر حملے کرنا نادانی ہے آریہ سماج کے لیڈروں کا یہ فرض ہے کہ کم از کم وہ ایسی تحریریں دے جن میں حصہ لینے سے اپنی بریت ظاہر کریں تا جو دکھ اس کتاب سے پہنچا ہے وہ ایک فرد واحد تک محدود ہے اور ایک قوم کی طرف سے نہ سمجھا جاوے ہم امید کرتے ہیں کہ آریہ سماج کے لیڈر اگر ان جو شیلے کو تہ اندیشو کو روک نہیں سکتے تو اس میں کو وہ ضرور اختیار کریں گے کیونکہ یہ از بس ضروری ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں کسی قسم کی بخش پیدا نہ ہو۔

ہم دوبارہ اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس کتاب کے ایک لفظ کی بھی پروا نہ کرتے اگر ہمیں صرف مباحثہ میں کس قدر سختی کا پہلو اختیار کر لیا گیا ہوتا۔ مباحثہ میں سختی کا ہو جانا ایک معمولی امر ہے اور جو ش میں بعض وقت طرفین کے منہ سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جنکے معنوں کی بیشی کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہوتا مگر اس کتاب میں

بچائے سختی کے بخش گالیوں سے کام لیا گیا ہے ایک شخص جو صرف اس کتاب کی فہرست مضامین کو ہی پڑھے وہ دیکھ لیگا کہ اس کتاب کا مصنف معقول مباحثہ کو چھوڑ کر سخت مباحثہ کی حد سے بھی کہیں آگے گزر گیا ہے مثلاً ایسے ہذلیات اور توہین آمیز پرزے جیسے خدا کا کیڑوں کو ٹرون (ص ۲۹) شیطان (ص ۱۳۸) بھنگیوں یعنی چوہڑوں (ص ۲۱۰) سے مقابلہ کرنا اسلامی بہشت کو چکلے سے بدتر کرنا (ص ۲۱۸) ایک باعصمت عورت (حضرت مریم صدیقہ) پر وہ حملے کرنا جو یہودی بھی کرتا ہوا شرما جاوے (ص ۳۰۶) یہ اگر عہد اسلام کے لوگوں کو دیکھ ہو چنانچہ لیے نہیں کیا گیا تو کیا ہے۔ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہیں کہ کوئی معقول ریہ سماجی بھی اس کتاب کے دین صفحہ پڑھے تو ضرور اس کی گندہ زبانی سے کانپ اٹھے گا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا اتحاد

مروج اور غیر مروج انجیلین | ڈاکٹر کلاس نے جو اس وقت ہنگری کے ایک لاجمین پروفیسر ہے تیویرا یہودیوں کے ایک میگزین میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں کیس وقت یہودیوں اور عیسائیوں کے اتحاد کے امکان کو دکھایا گیا ہے اس مضمون میں یسوع کی زندگی کے واقعات مروج کیسے گئے ہیں اور اس لحاظ سے کہ وہ ایک یہودی کے قلم سے نکلے ہیں خاص دلچسپی رکھتے ہیں کوشش کی گئی ہے کہ یہودیوں کو اس الزام سے بری ثابت کیا جائے کہ انہوں نے دانستہ حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی تکلیف پہنچائی تھی پہلے وہ ذرائع بیان کیے گئے ہیں جسے مسیح کی زندگی کے واقعات کا پتہ مل سکتا ہے اور اس امر پر اطمینان فرمایا کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کی زندگی کے واقعات دریافت کرنے کے ذرائع بہت ہی کم ہیں چار مروجہ انجیلوں کے متعلق مصنف مضمون کی ہی رائے ہے جو آج کل عیسائیوں میں مسلم ہے یعنی یہ کہ وہ ایک نامکمل اور ناقص روایت کی بنا پر لکھی گئی ہیں گویا تاریخ کے رنگ میں نہیں بلکہ قصوں کے رنگ میں ہیں اسکے ساتھ ہی تاریخی طور پر ان چالیس چالیس سے زیادہ انجیلوں کو جو عیسائیوں کے نزدیک جعلی ہیں اسی حد تک معتبر قرار دیا گیا ہے اور اسکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب تک مروجہ چار انجیلوں کو کافی شاہد تصور کیا جاتا تھا غیر مروجہ انجیلوں کو کوئی وقعت نہیں دیا جاتی تھی۔ مگر اب جبکہ مروجہ انجیلین قصص اور ناقابل اعتبار ثابت ہو گئی ہیں تو کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں جس سے ہم ان دونوں قسم کی انجیلوں میں کوئی فرق کر سکیں۔ دو یا تین سال نہیں گزرے ہونگے کہ جرمنی کے فاضل کاترڈی نے ایک مشہور تصنیف میں یہ ثابت کیا تھا کہ طفولیت کی انجیلین نہایت قیمتی تاریخی ذرائع ہیں اور ان پر اور غور کیا جائے

جس قدر غیر مروج انجیلوں کی وقعت تاریخی نگاہ میں بڑھتی جاوے گی۔ ایس قدر مروجہ انجیل کی وقعت کم ہوتی جاوے گی۔ ان امور کو مد نظر رکھ کر یسوع کی زندگی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں جس کی صحت پر اعتراض نہ ہو سکتا ہو۔۔۔۔۔ عیسائیوں کی ان تحریروں کے علاوہ یہودی ذرائع کو بھی لیا گیا ہے اگرچہ وہ ان سے بھی بہت کم ہیں۔

یسوع کی ولادت پر حملے | یہودیوں کی نفرت حضرت مسیح سے ایک مشہور امر ہے۔ لیکن ڈاکٹر گراس اگرچہ پہلی اس نفرت کے پاک نہیں مگر بہت حد تک اس موروثی نفرت کے خیال

کو دل سے دور کر چکا ہے تاہم اس کی تحریر بالکل اس خیال سے پاک نہیں! بتدائین وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ”یسوع ایک بزرگ اور متقی انسان ہمارے درمیان پیدا ہوا“ اور پھر لکھتا ہے ”اگر کلیسیا ہر ایک امر کو جو یسوع کے متعلق ہے بگاڑ کر کچھ کا کچھ نہ بنا دیتی تو اس کا نام آج یہودیوں کے درمیان نفرت نہیں بلکہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ اگر کلیسیا انہیں مسائل کو رواج دیتی جس کی تعلیم واقعی حضرت مسیح نے دی تھی۔ تو اسرائیلی انبیاء اور خود یسوع کے اصل منشاء کے مطابق ہوتا۔ کیونکہ وہ ہم میں سے تھا وہ اس امر کو محسوس کرتا تھا کہ وہ ہمارے ریطر بھیجا گیا ہے۔ وہ ہمیں تعلیم دینی چاہتا تھا اور ہماری خوشحالی اس کا مقصد تھا“ الفاظ میں حضرت مسیح کا بنی اسرائیل کی طرف رسول ہونا جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے صاف الفاظ میں تسلیم کر لیا گیا ہے مگر باوجود اس قرار کے ان جھوٹے قصوں کو جو حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق یہودیوں نے چھپے آگے ہیں اس مضمون میں بہت وقعت دی گئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تاریخی طور پر ایک صحیح تسلیم نہیں کر لیا گیا بلکہ یہ بھی مانا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کو ناجائز قرار دینے سے اصل غرض یہود کی صرف یہی تھی کہ تانائکے دعوے کی تردید کریں اور تاناکان کی نسبت ایسی باتیں مشہور کیجاوین جو انکو بدنام کر نیوالی ہوں مگر پھر بھی مصنف مضمون کا دل یہ نہیں چاہتا کہ ان قصوں کو قطعی طور پر جھوٹے قرار دے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جہاں ایک بے تعصب محقق اس بات کا افسوس کرے گا کہ مذہبی جوش نے کہا تک نوبت پہنچائی ہے یہاں تک ہی اس کے سامنے یہ سوال بھی اُٹھ گا کہ کوئی شخص جس کے ذریعہ سے اظہار دشمنی کیا جاوے لازمی نہیں کہ وہ ضرور ہی جھوٹا ہو کیا ممکن نہیں کہ انجیلوں کا مقصد ہی جیسے اور بھی کی طرح کے شبہات وارد ہوتے ہیں جعلی ہو؟ اور اگر کلیسیا کو جو یسوع کی الوہیت یا اسکے بن باپ پیدا ہونیکا کوئی ثبوت نہیں دے سکتی اسی امکان کا مقابلہ کرنا پڑے کہ یسوع کی ولادت کے متعلق وہی قصص صحیح ہیں جو حار یونان کے علاوہ دوسرے لوگوں (یعنی یہودیوں) نے لکھے ہیں تو پھر کیا ہو گا کیا اس سے یسوع کی تعلیم کی قیمت کم ہو جاوے گی اور کیا پھر وہ اس قابل نہ رہے گی کہ ایک عظیم الشان کلیسیا کی بنیاد اس پر رکھی جاوے“ یہ خیالات مصنف کی اپنی رائے کی تردید کر رہے ہیں۔ جو اس مضمون کے پہلے حصہ میں حضرت مسیح کے سچا بنی ہونیکے متعلق اس نے بیان کی ہے کیونکہ اگر واقعی حضرت

مسیح خدا کی طرف سے تھے اور راستباز تھے۔ تو ان قصص کو لازماً جھوٹا ماننا پڑے گا۔ راقم مضمون کو جو ایک یہودی ہے تو ریت کے وہ الفاظ ضرور معلوم کیے جن میں حرامی بچوں کے متعلق لکھا ہے کہ "حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہووے۔ اسکی دسویں پشت تک وہ خداوند کی جماعت میں شامل نہ ہوئے" (استثنا۔ ۲۳) پس وہ شخص جسکو اللہ تعالیٰ اس قابل بھی نہیں سمجھتا کہ وہ اسکی جماعت میں داخل ہووے ایسے شخص کو وہ نبوت کا ممتاز عہدہ نہ دے سکتا ہے۔ اس حوالہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی اصل غرض ان قصوں کے گھڑنے میں سوا اسکے کچھ نہیں تھی کہ اس سے حضرت مسیح کے دعوے نبوت کو صدمہ پہنچے۔ یہ سچ ہے کہ کسی آدمی کی بڑائی اس بات پر منحصر نہیں کہ اسکی ولادت یا نسل کیسی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی حق ہے کہ وہ لوگ جنکو اللہ تعالیٰ اپنے لیے چنتا ہے اور جنکو وہ دنیا کی طرف رسول کر کے بھیجتا ہے اس قسم کے نقصوں سے اور ایسے عیبوں سے پاک ہوتے ہیں ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جھوٹے قصوں پر جن میں حضرت مسیح کی ولادت پر حملے کیے گئے ہیں یہودیوں کا کیسا پاک اعتقاد ہے مگر انکو سچی بنی ماننے کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ان قصوں کو جھوٹا سمجھا جاوے اور وجہ ہے کہ قرآن شریف کو حضرت مسیح کے متعلق روح منہ کہنا پڑا جس سے سمجھایا گیا کہ جس بات پر یہودی جھے بیٹھے ہیں کہ آپ کی ولادت میں نوزد بائسدا نپاکی کو دخل ہے یہ بالکل جھوٹ بات ہے بلکہ وہ ایک پاک صبح ہے جو خدا کی طرف سے ہے نہ کہ شیطانی اور ناپاک روح مگر یہودیوں کے اس قدر سخت اعتراض آپ کی ولادت پر نہ ہوتے تو خدا کے پاک کلام کو ان الفاظ کے بیان کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

تیس سالہ زندگی

حضرت مسیح کی تیس سال کی زندگی کا کوئی حال معلوم نہیں اور اس امر سے عیسائیوں کو بھی انکار نہیں مروجہ نابیل میں صرف ایک دو واقعات کا ذکر ہے۔ ظالمودین بھی ایک دو اشائے پائے جاتے ہیں مگر انکی صحت پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر کراس ایک واقعہ کو جسکا ذکر ظالمودین نے کیا ہے یوں بیان کرتا ہے۔ "ایسا ہی بیان ظالمودین بھی موجود ہے۔ یہاں یسوع بحیثیت ربی لیشوع بن پر اچا کے شاگرد کے پیش کیا گیا ہے جسکے ساتھ وہ مصر میں بھاگ گیا کیونکہ بادشاہ ربوئو نکلیف دنیا تھا۔ بعد میں جب دونوں فلسطین کو واپس آئے تو یسوع کسی عورت کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو جانا دیکھ کر ربی نے اسے عاق کر دیا۔ یہی سبب تھا کہ یسوع نے اسرائیلی مذہب کے ارتداد کی طرف لوگوں کو بلایا" اس قصہ کے آخری الفاظ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ایسے وقت میں گھڑا گیا جب عیسائیت کا رنگ پلٹ چکا تھا یعنی..... حضرت مسیح بہت مدت بعد عجیب بات کہ اور نبیوں کی انکے دشمنوں نے اسی قسم کے الزام لگائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام حبث فطرتیں ایک ہی شخص کی ہوتی ہیں۔

مسیح کی تعلیم مگر سب سے زیادہ ضروری امر جو یہودیوں اور عیسائیوں کے اتحاد کے سوال کو آخر کار حل کر سکتا ہے

مسیح کی تعلیم کا سوال ہے اس بائبل میں ڈاکٹر کراس سے پہلے یہ سوال پوچھتا ہے کہ کیا حضرت مسیح نے واقعی کسی نئے مذہب کے بانی ہونیکا دعویٰ بھی کیا تھا؟ اور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ باوجودیکہ ناجیل اس وقت تکھی گئیں جب عیسائیت میں کسی قدر تغیر آچکا تھا تاہم وہ بھی کھلے طور پر یہ دعویٰ کر نہ کی جرات نہیں کرتیں کہ یسوع نے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا اور تفسیر کو تاریکی میں رہنے دیا کہ حواری اسکے متعلق ٹھیک رائے قائم کریں۔ ایک معقول پسند منقد ناجیل سے صرف اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خواہ انکی مذہبی تعلیم کچھ ہی ہو اس میں کچھ شک نہیں کہ یسوع دوسرے یہودیوں کی طرح ایک یہودی تھا بلکہ ربوئی کی طرح وہ ایک ہی تھا۔ اور کہ اس نے صرف اس قدر دعویٰ کیا اور اس سے بڑھ کر اور کوئی دعویٰ نہیں کیا، دراصل حضرت مسیح کے اقوال میں جو ناجیل میں مذکور ہیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اپنے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا تھا یا آپ کا ارادہ منسوخ کر نیکا تھا۔ مگر آپ کے اس قول کو نقل کرتا ہے ”یہ خیال مت کرو کہ میں تورات یا نبیہ کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا ہوں میں منسوخ کر نیکا نہیں بلکہ پوری کر نیکا آیا ہوں“ (متی ۵)۔

طاہر اوداسی قول کو نقل کرتے ہوئے اسکو اور بھی واضح کر دیتی ہے چنانچہ اسکے الفاظ یہ ہیں ”میں اس لیے نہیں آیا کہ موسے کی شریعت کو کچھ گھساؤں نہ۔ بلکہ آیا ہوں کہ اس شریعت پر کچھ تیز و کروں“ شریعت کو پورا کر نیسے آپ کا یہی مطلب تھا۔ پھر حسب ایک التحدی نے آپ کے اکر کہا کہ میں کو نسا نیک کام کروں جس سے ہمیشہ کی زندگی پاؤں تو آپ کا جواب عبرانیوں کی انجیل میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ ”توریت اور نبیوں کی کتابوں کو پورا کرو“ یعنی انکے احکام کی فرمانبرداری کرو۔ یہ تالیف یہودی فاضل نے یہ ثابت کر نیسے کیے لیکن یہی کہ حضرت عیسیٰ صرف شریعت موسوی کے خادم ہو کر آئے تھے اور خود کوئی نئی شریعت نہیں لائی اور نہ آپ نے کبھی شریعت کے انحراف کیا۔ عملی طور بھی وہ حضرت موسے کی شریعت کے مطابق ہی چلتے رہے آپ کی زندگی میں صرف دو ایسے واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن کو حضرت موسے کی شریعت کے خلاف ورزی کہا جاتا ہے اور پھر اس سے منسوخ شریعت کا نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر یہ محض تنکے کا پہاڑ بنانا ہے۔ ڈاکٹر کراس یہ ثابت کیا ہے کہ اول تو ممکن ہے کہ سو ایہ افعال آپ سے سرزد ہوئے ہوں یعنی ایک سبت کے دن خوشونکے توڑ ٹھیکر اجازت دینا اور دوسرا گھانسیسے پہلے ہاتھ نہ دھونا اور پھر یہ دکھایا گیا ہے کہ یہ ضروریات شریعت موسے کی تھیں۔ بلکہ ربوئی کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق انکی ضرورت سمجھ جاتی تھی۔

یسوع کے عمل میں گھسیٹا جانے اور صلیب پر کھینچا جانے کے معاملہ میں ڈاکٹر کراس یہودیوں کو بالکل بیگناہ سمجھتا ہے اور اسکا سارا گناہ پیلاطوس کے ذمے ڈالتا ہے جو رومیوں کی طرف سے حاکم تھا اس امر کو چھوڑ کر کہ جس قدر شہادت ملتی ہے

یہودی الزام سے
پری نہیں، مین

وہ اس کے خلاف یہ غلبہ بھی نہیں کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کو دکھ دینے میں کوئی حصہ نہ لیا ہو صنف مضمون لکھتا ہے کہ اس قسم کے اور بہت سی خیالی بلاؤں کا نیا نیا ہونے جس سے اس کی مراد مسیحیت کے جھوٹے دعویدار ہیں۔ اس وقت کے پہلے اور پچھلے یہودیوں نے اسی طرح مار ڈالے تھے مگر اس سے بھی یہ قرینہ پیدا نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح تھی اسی طرح مارے گئے ہوں اس وقت کے یہودیوں نے دل نہیں مسیح کی وہ عزت نہ تھی جو آج کل کے بعض مہذب یہودیوں کے دل نہیں ہے بلکہ وہ انکو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ہم نہیں کہتے کہ حضرت مسیح کی مخالفت کریمینان کے ہاتھ میں کوئی بھی غدر نہیں تھا انکو کھڑکریا کی ٹیگ کوئی پرکھی جس میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنے پہلے ضرور ہے کہ ایلیا بنی آسمان سے اترے پس یہودیوں نے نزدیک مسیحیت کا ہر ایک دعویدار جھوٹا تھا جن کا ایلیا بنی آکر اسکی شہادت نہ دیتا اسی بنا پر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعوے کو بھی جھوٹا سمجھ لیا۔ ایلیا کی دوبارہ آمد کی تشریح جو حضرت مسیح نے کی وہ یہ تھی کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہی ایلیا گھنی ایلیا کی دوبارہ آمد سے مراد یوحنا بپتسمہ دینے والے کا آنا تھا جو ایلیا کی روحانی خاصیت کو لیکر آیا ہے لیکن یہودیوں نے اس امر کو قبول نہ کیا اور وہی غلطی کی جو خود اس زمانے میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو اس انتظار میں ہیں کہ مسیح خود آسمان سے اترے حالانکہ مسیح کی آمد ثانی کی ٹیگ کوئی اسکے پیش کی آمد سے جو اسی کے رنگ میں اور اسی کی روحانی قوت کے ساتھ آیا ہے پوری ہو چکی ہے غرضیکہ اس موٹی بات کو ہاتھ میں لیکر کہ چونکہ ایلیا نہیں آیا ایسا ہے مئی مسیحیت صادق نہیں ہو سکتا۔ یہودیوں نے ہر قسم کے دلائل کے سننے سے اعراض کیا اب وہ حالت میں کیونکہ ایلیا کے آنے سے یہودی یائوس ہو چکے ہیں جیسا کہ کسی دن مسیح کے واپس آنے اسکے قابل یائوس ہو کر آخر حق کی طرف بھج کر نیگے پس اب وہ حضرت مسیح کو استہزاء بنی ماننے کیلئے بھی تیار ہیں مگر اس وقت چونکہ یہودی بچہ طور پر ہی سمجھے بیٹھے تھے کہ حضرت عیسیٰ دعوے مسیحیت میں لغو یا لغو منقری ہیں اور اسی لیے انہوں نے آپ پر اور آپ کی والدہ صدیقہ پر نہایت ناپاک الزام بھی لگائے تھے اسلیئے انہوں نے طرح طرح کے دکھ بھی نہیں دیئے اسبطر جبر جیسا ہرنی کو دکھ دیا گیا صلیب پر کھینچنے سے انکا نشانہ ہی تھا کہ اس سے حضرت مسیح کا دعوے باطل ہو جاوے گا۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے اکڑ کر اس کے متعلق اپنے مضمون کے اخیر میں یہ تجویز کرتا ہے "اگر ہم یہودی جنکی اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے"

تعداد بہت تھوڑی سی ہے عیسائی کلیسیا یہ درخواست کریں کہ وہ ہماری خاطر اپنی بعض باتوں کو چھوڑ دے تو یہ شاید ہماری گستاخی سمجھی جائے گی لیکن اگر یہ صحت ہو جاوے تو پھر ہم دونوں قومیں اس عظیم الشان انسان یسوع میں اپنی خوشی کو پالینگے ہم بڑے فخر سے اسے پناہ تسلیم کر لینگے اور اسے اسرائیل کا سب سے بڑا فرزند مان لیں گے۔ چونکہ اب وہ خدا تو ہو نہیں سکتا پس اس سے انسان ہی بننے دیا جاوے لیکن

ایسا انسان جو معمولی انسانوں سے نرالا ہے اور اپنے فوقیت رکھتا ہے چند سال کا ذکر ہے کہ راقم اور دیگر یہودی مصنفوں کو امریکہ سے چند سوال پہنچے تھے جن میں ہماری رائے یسوع کے متعلق دریافت کی گئی تھی۔ اور یہودی مذہب کے اتحاد کے متعلق اشارہ کیا گیا تھا۔ ہم یہودی اگر اس بات کو مان لیں تو گویا اپنی تمام خصوصیات یعنی اپنی قومیت اور اپنی زندگی اور اپنے مذہب کے دست بردار ہو جائیں گے، ان اگر عیسائی مذہب اپنی خصوصیات کو چھوڑ دے تو ہم اپنی خصوصیتیں چھوڑ دیں گے تب ہم بائبل کے الفاظ میں ایک قوم ہو جائیں گے۔ یہ میرا جواب اس اتحاد کے سوال کے متعلق ہے جو امریکہ سے پوچھا گیا تھا، اس تجویز سے یہ تو صاف معلوم ہوا ہے کہ راقم کا منشاء عیسائی کی خصوصیات سے کیا ہے۔ یہین تثلیث اور مسیح کی الوہیت اور کفارہ یعنی عیسائی مذہب کے وہ اصول جن پر اسکی بنیاد رکھی گئی ہے اور جن کے سبب یہ مذہب یہودی مذہب کے الگ ہوا لیکن یہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ یہودی مذہب کی خصوصیتوں سے کیا مراد ہے غالباً اس کا منشاء یہودیوں کی شریعت ہے۔ دراصل یہ اتحاد کی تجویز ان دونوں قوموں کے موجودہ میلان کا نتیجہ ہے جس کی بنیاد عیسائی مذہب کا میلان تو اس وقت ہے کہ کفارہ اور تثلیث اور الوہیت مسیح کے عقاید کو دور کیا جائے اور یہودی مذہب کا میلان یہ ہے کہ یہودی شریعت اس وقت قابل عمل نہیں ہے اور یہودی شریعت بھی دراصل ایک خاص قوم اور خاص وقت کے لیے لیکن اگر دونوں مذہبوں کی خصوصیتوں کو الگ کر دیا جائے جیسا کہ زمانہ باؤاز بلند پکار رہا ہے کہ انہیں آخر چھوڑنا پڑے گا۔ تو باقی صرف اسلام کے اصول ہی رہ جاتے ہیں یا یوں کہو کہ ان دونوں مذہبوں کا خاتمہ ہو کر باقی صرف اسلام کا مذہب ہی رہ جاتا ہے کیونکہ اسلام نے جہاں ایک طرف تثلیث اور کفارہ کی تردید کی دوسری طرف یہودی شریعت کو منسوخ کر کے دنیا کو ایک ایسا پاک مذہب عطا کیا جو سب قسم کی غلطیوں سے پاک ہے اس لیے یہودن اور عیسائیوں کا مجوزہ اتحاد بہین ایک قسم کی خوشی بھی دیتا ہے کیونکہ یہ قبولیت اسلام کی طرف پہلا قدم ہے۔

ان غلطیوں کی اصلاح
سب سے پہلے کس نے کی

اگر یہ تجویز یہودیوں اور عیسائیوں کے اتحاد کی تکمیل کو پہنچ جائے تو دنیا اس انسان کو اپنا عظیم الشان محسن سمجھے گی جس کے ذریعہ سے ایسی اصلاح ہوگی اس وقت بیشک ہر ایک آدمی کا خیال ایسا ہی ہو گا لیکن جب حقائق کی طرف دیکھا جاتا ہے

تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات دنیا اپنے سچے محسنوں سے دشمنی ہی کرتی رہی ہے اور احسان فراموشی کر کے انہیں کی مخالفت کرتی رہی ہے جنہوں نے اسے قایدہ پہنچایا یا ہا۔ ایک ایسا محسن دنیا کے بڑا محسن کے بیابانوں میں اٹھا اور سب سے پہلے اسے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو اپنی غلطیوں پر مطلع کیا مگر اسکی بات کسی نے نہ سنا۔ اسے یہودیوں کو باؤاز بلند پکار کر ستایا کہ دیکھو تم مسیح کو چھوڑنا کہنے میں اور انیر اور انکی والدہ پر الزام لگانے میں غلطی کر رہے ہو اور یہ بھی سنایا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت قانون مختص القوم اور مختص الزمان تھا اس نے

عیسائیوں کو بار بار کہا کہ مسیح کو خدمت کہو۔ وہ نہ خدا ہے نہ خدا کا بیٹا ہے بلکہ انسانوں میں سے ایک انسان مگر ساتھ ہی خدا کا ایک برگزیدہ نبی بھی ہے۔ اس نے دونوں قوموں پر الزام قائم کیا کہ ایک قوم تفریط کی طرف جارہی ہے اور دوسری افراط کی طرف اور فرمایا کہ اهل الكتب لا تغلوا فی دینکم اے اہل کتاب مسیح کے باریک غلو مت کرو نہ اسکو حد سے بڑھا کر خدا بناؤ نہ اتنا گھٹاؤ کہ منقروی اور کیا کچھ قرار دو۔ اسی طرح یہودیوں کے الزام کو بہتان عظیم کہہ کر ان تمام قصوں کو جھوٹے قرار دیا جنکو مشہور کر کے یہودی مسیح کی ولادت پر ناپاک حملے کرتے تھے۔

انحضرت کا ان غلطیوں پر مطلع
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے اس میں اعجازی امر یہ ہے کہ ان باتوں کا کہنے والا نظاہر ایک انبی آدمی تھا جسکو کتابی علوم کا مطلق کچھ پتہ نہ تھا۔ آج کا نہیں بلکہ تیرہ سو

سال کا یہ ذکر ہے جسوقت وہ تنقید موجود تھی جس سے آج نتیجے نکالے جاتے ہیں۔ نہ تنقید کے اصول اور نہ ہی وہ سامان جسکے ذریعہ ایک منصف صحیح نتیجہ پر پہنچ سکے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی تحقیق نہیں کی کہ یہودیوں نے یہ کہا بیان کیوں اور کس طرح بنائیں اور آیا وہ اصلی ہیں یا جعلی۔ اور نہ ہی عیسائیوں کے اصول نہ سب کے متعلق کبھی تحقیقات کی کہ پہلے کیا تھے پھر کیا ہو گئے۔ غرضیکہ ان عادی راہبوں میں سے کوئی راہ اختیار نہیں کی جنہر حلکہ دنیا میں انسان بعض امور سے بعض قیاح پر پہنچتے ہیں اور پھر وہ نتائج بھی ضروری طور پر صحیح نہیں ہوتے۔ مگر ان طریقہ میں سے کسی طریق کو نہ اختیار کر کے بھی آپ ایک ایسے عجیب اور صحیح اور مضبوط نتیجہ پر پہنچے جو آج ایک دنیا کو حیرت میں ڈالنے والا ہے جس نے مان میں آپکا ظہور ہوا ہے حضرت عیسیٰ متعلق صحیح عقیدہ کہیں بھی نہ تھا۔ یا تو افراط کا پہلو یعنی خدا اور خدا کا بیٹا اور یا تقریط کا وہ پہلو جو اور کسی نبی کے متعلق کبھی مخالفین نے اختیار نہیں کیا یعنی ولادت پر یہ حملے کہ وہ نعوذ باللہ ناجائز طور پر ہوئے اور موت پر حیلے کہ وہ نعوذ باللہ لعینوں کی موت تھی۔ مگر ان سب تاریکیوں کے ہوتے ہوئے آپ ایک ایسے روشن نتیجہ پر پہنچے جسکے سامنے آخری ایک بار ایک اصول تنقید کو سر جھکا تا پڑا ہے یہی باتیں جو آج دو ہزار برس کے بعد عیسائیوں کو معلوم ہوئی ہیں آپنے انکو یہ کہ دیکھو مسیح خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہے اور رسول ہے۔ اسکے سوا اور کس نے کہا۔ ولا تقولوا ثلثة انتھوا خیر الکھرتین خدمت کہو اس سے باز آ جاؤ کیہی تمہارے لیے بہتر ہے مگر اس مشفق ناصح کے الفاظ کی پروا نہ کی گئی۔ پھر کس نے یہودیوں کو اس پر شوکت آواز سے کہا وقولہ علی مریم بہتاناً عظیماً۔ تم ایسے ملعون کھڑے کہ تم نے مریم صدیقہ پر بہتان عظیم باندھا۔ افسوس ہے ان عیسائیوں نے جنہوں نے یہودیوں کے قصے سنتے سنتے آخر کار پینتھر یعنی اس رومی سپاہی کو جسکے ساتھ یہودی اپنے خبیث کیونچہ سے حضرت مریم صدیقہ پر جھوٹا الزام لگاتے تھے حضرت عیسیٰ کے آبا کی قبرست میں شامل کر دیا۔

اس نے کہا کہ دیکھو تم مسیح کو چھو ٹامٹ کہو مگر سوقت اس ہمدرد کے الفاظ پر بہت تھوڑوں نے غور کیا اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کون تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اصلی اور حقیقی راز پر آگاہ کر دیا اور غلطیوں کے عظیم الشان ڈھیر کیے نیچے سے نکال کر اصل حقیقت کو صحیح صحیح دکھا دیا۔ وہ حقیقت جو آخر کئی نسلیوں کی محنتوں سے بھی جزوی طور پر ہی دریافت ہوئی ہے اسکا اطلاق دینے والا سو اُس عالم الغیب ہستی کے اور کون ہو سکتا تھا۔ جو دلوں کے اسرار سے بھی واقف ہے اسی نے یہ صداقت بھی آپ میکشف کی ورنہ اس زمانہ میں اس صداقت کو ایسا انسانی طاقت سے باہر تھا کیا یہ بین ثبوت اس امر کا نہیں کہ آپ وحی الہی کے سر خمیہ سے بولتے تھے نہ اپنی خواہش یا ارادے سے یہ ایک نہایت صاف اور واضح دلیل ہے کیونکہ ایک انسان ان پڑھ یا بیان میں بیٹھا ہو اور بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھنے والا خود بخود اس نتیجہ پر کیونکر پہنچ سکتا تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ اعتقاد خالی انسانی خیال ہوتا تو اغلب یہی تھا کہ آپ ایک طرف کو جھک جاتے مسلمانوں کے ایسے کیسی خوشی کا مقام ہے کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق صحیح عقیدہ سے آخر وہی عقیدہ صحیح ثابت ہوا جو ان کے ہادی اور رہبر ہو سکتا تھا اور خود یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے غلط عقاید چھوڑ کر آخری ہی پاک عقیدہ تسلیم کرنا پڑا کیسا عجیب رہنا یہ انسان تھا۔ اور کیونکر اسکی ہر ایک بات قابل وثوق ثابت ہو رہی ہے اسی کی آنکھ نے آسمان سے روشنی پا کر غلطیوں کے تاریک بادلوں کے نیچے سے اصل حقیقت کو پایا۔

کیا یہودی اور عیسائی اس | چند اور نقطوں پر اسکو ختم کرتے ہیں جس صورت میں یہودی اور عیسائی دونوں تو میں اپنی اپنی غلطیوں کو تسلیم کر رہے ہیں کیا وہ اس امر کے لیے تیار ہیں کہ اس عظیم الشان محسن کے احسان کا اقرار کریں جس نے

سب سے پہلے یہ حقیقت دنیا کو کھول کر دکھائی۔ وہ تعصب جو ان لوگوں کو اس مقدس انسان کے خلاف پیدا ہو گیا ہے انکو اس بات کی اجازت نہ دینا اور گو اسلام کے اصول کی صداقت کو ایک ایک کر کے تسلیم کرتے جاویں مگر آنحضرت کی صداقت کو تسلیم کرنا انکو موت کے برابر نظر آتا ہے مگر آخر یہ تعصب کا پرہیز بھی ضرور ایک دن اٹھ جائیگا اور صداقت کی چمکدار شعاعیں غلطیوں کی تاریکی کو پاش پاش کر کے سب لوگوں کو نورزدنگی کیونکہ آخر غلبہ حق کا ہی ہے دنیا میں بہت سے بڑے بڑے انسان گزرے ہیں مگر اس عجیب انسان کی عظمت کے مقابل سب سے پہلے میں اسکے آگے جیسا ایک فلاسفر اور اخلاقی تعلیم دینے والے کو سر جھکا نا پڑتا ہے اسی طرح ایک منقذ اور سائنس دان کو بھی آخر اس کی بات کو ماننا پڑتا ہے ۛ

ایک عیسائی گورنٹ اور مسلمان

صحابہ کی تکالیف اور
ایک عیسائی گورنٹ

ایک واقعہ گزشتہ کے اسی قسم کے واقعات کو یاد دلادیتا ہے اور اسی واقعہ کا ذکر کرتے وقت جس کا ذکر بیان کرنا ہمارا مقصود انتقال ذہن تیرہ سو سال پہلے کے واقعات کی طرف ہمیں لیجاتا ہے۔ ان لوگوں کو جو اب تک جملے قائل ہیں یا ایسے مہدی کے منتظرین جو تلوار لیکر ایسکا اور زمین کو کافروں کے خون سے بھر دیگا۔ وہ واقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اثنائے تبلیغ حق میں پیش آئے اپنے عقیدہ سے کسی قدر مخالف ضرور معلوم ہونے چاہئے ایک بار عرصہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جمیع کفار کے ہاتھ سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں اٹھاتے رہے ولیم میور جیسا آدمی جو حتی الوسع ہر ایک شہادت کو اسلام کے خلاف ہی لینا چاہتا ہے اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ابتدائی مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو غریب تھے پھر گرفتار کر دیے جاتے یا انکو کھلم کھلا ان میں جلتے ہوئے سنگریز و نیر و ہر کی سخت تیز دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا اور جب وہ پیاس سے بیتاب ہوتے تھے تو انکی حالت بالکل بیہوشی کی ہو کر وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں اور پھر ذکر کرتا ہے کہ حضرت بلال کو جب اس طرح سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچائی جاتی تھی تو اس وقت بھی ان کے منہ سے سوائے اس کے کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا کہ ”اے خدا یعنی ایک ہی خدا ہے“ گویا اس تکلیف کیچا لٹین خدا انکو نظر آتا تھا۔ انکے حیرت انگیز استقلال اور قوی ایمان کو دیکھ کر کفار کا غضب اور بھی اپنر بھڑکتا اور پہلے سے بھی دو چند تکلیفیں پہنچائی جاتیں۔ جب یہ مصائب حد سے گزر گئیں تو مسلمانوں کو سوائے اس کے کوئی راہ نظر نہ آئی کہ اپنے املاک اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر محض اپنے خدا کے لیے جلا وطنی اختیار کریں اور کسی دوسرے ملک میں جا کر پناہ لیں چنانچہ انکی پیاری آقا نے مغرب کی طرف اشارہ کر کے انہیں کہا کہ ”اے دھرا ایک زمین ہے جہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا وہ انصاف کی زمین ہے پس وہاں چلے جاؤ جب تک اللہ کوئی اور سبیل نہ لائے“ یہ انصاف کی سرزمین جہاں ان غریب مسلمانوں کو بھی پناہ کی امید مل سکتی تھی کوئی سرزمین تھی۔ چیش کا ملک تھا جہاں کا حاکم اس وقت عیسائی تھا۔ نجاشی نام چنانچہ یہ جلا وطنوں کا چھوٹا سا گروہ قریباً پندرہ شخص گھر بار کو چھوڑ کر اور اپنے رشتہ داروں کے سخت ظلموں سے تنگ آ کر خراج عیسائی گورنٹ کے سایہ عاطفت میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ عیسائی بادشاہ ان سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور انکو انکے مذہبی فرایض کی ادائیگی میں اس پوری آزادی دیکر ثابت کر دیا کہ وہ عیسائی گورنٹ ”اقعی انسی“ ہی تھی جہاں کسی پر ظلم نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ چند ماہ بعد بیت سارے مسلمان جن کی تعداد سنو کے قریب پہنچی ہوئی تھی اسی

عیسائی گورنمنٹ کے نیچے پناہ گزین ہوئے۔

جماد اور غازی مہدی کا عقیدہ | ایسا ہی ایک اور تاریخی واقعہ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے جس میں صرف ناموں کے تفرک کے ساتھ ہی واقعات ٹھہر گئے

جاتے ہیں۔ پہلی عیسائی گورنمنٹ کی طرح ایک اور عیسائی گورنمنٹ کے اور اسی قسم کے مظلوموں کا ایک اور گروہ اسکی پناہ ڈھونڈ رہا بلکہ اسکی پناہ میں آ رہا ہے۔ ان جلاوطنوں کی تعداد بھی حبش کے پہلے جلاوطنوں کی طرح بھی بہت تھوڑی ہے۔ مفصل کیفیت اس کی یہ ہے کہ خوست علاقہ کابل میں ایک مشہور بزرگ تھے اخوندزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب

مرحوم جو اپنے تقدس باطنی اور علوم ظاہری کے لحاظ سے سارے ملک افغانستان اور خاص دربار کابل میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہاں ہزاروں سے زیادہ انکے مرید تھے۔ چند سال کا عرصہ گزرا تو کہ اس پاک باطن شخص کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض شیعہ کردہ کتابیں اور رسایل پہونچے اور انہوں نے انے الفورا اپنی پاکیزہ فراست سے مسیح موعود کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور اس وقت سے اپنے اجماعیہ مریدین سے وقتاً فوقتاً اسکا تذکرہ شروع کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ قادیان میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرصہ بیان اقامت کر کے جب اپنے ملک میں واپس پہنچے۔ تو بڑے بڑے

عمائد کابل کو اس پاک سلسلہ کی تبلیغ شروع کی۔ اب ان عقاید میں سے جو سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات میں سے ہیں۔ سب ضروری عقیدہ... خونی مہدی۔ اور جہاد کا انکار ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی یہی بنیاد ہے۔ امیر افغانستان کو مروجہ عقیدہ جہاد سے یہ علیحدگی باعث خطرہ معلوم ہوئی۔۔۔

افغانستان میں قومی وحدت زیادہ تر تسلیم مسلہ جہاد کی بنا پر ہے اور یہی وجہ تھی کہ خونی مہدی کے عقیدہ کو معمولی مذہبی اختلاف سے نرالا اور اپنی گورنمنٹ کے لیے مضر خیال کر کے امیر نے صاحبزادہ مرحوم کے خلاف کارروائی

کی جو مذہبی اختلاف کی صورت میں نہیں کی جاتی تھی۔ باوجود انکی عزت اکرام کے انکو جلیانہ میں ڈالا گیا۔ جہان سے آخر کار انکو سنگسار کر نیکیے لیے نکالا گیا اور اس حکم کی معافی میں مبدل ہونے کی صرف ایک ہی شرط رکھی گئی یعنی

یہ کہ وہ خونی مہدی اور جہاد کے عقیدہ کی صحت کو تسلیم کر لیں اور اس شخص سے قطع تعلق کر لیں جس نے اس عقیدہ کا انکار دنیا میں پھیلا یا تھا۔ مگر شہید مرحوم نے بصد خوشی اس بات کو پسند کیا کہ انکو بھروسے ہلاک

کیا جائے مگر ایک لمحہ کیلئے بھی اس امر کو گوارا نہ کیا کہ حق سے انکار کریں۔ اور اس وقت بھی جب چاروں طرف بے پھر وئی ہو چھاڑا پیر شروع ہو گئی تو انکے منہ سے وہی کلمات نکلتے تھے جو ان کی مضبوطی ایمان کو ظاہر کر رہے تھے

اور اس طرح ناظرین کے سامنے وہ نقشہ دوبارہ آگیا جب غریب صبا کو بکریوں کی طرح خدا کی راہ میں بچ کیا جاتا اور وہ خوشی سے اپنی جانوں کو سپائی کی خاطر فدا کرتے تھے +

ایک اور مظلوم قوم اور ایک اور عادل گورنمنٹ وہ مرد ایک اس مضبوطی سے صداقت کی شہادت دیکر اس جہان فانی سے گزر گیا مگر وہ صداقت کی تجرہ بیزی کر چکا تھا۔ راستی گویا ہر ایک وقت دنیوی طاقتوں کے نیچے دب گئی ہوئی معلوم ہو مگر آخر کار فتح راستی کی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ سچائی کے دبا نیچے لیے جو کوششیں کجباتی میں ان کا اثر بھی بسا اوقات مستعد دل و پرنیک ہی پڑتا ہے اور انکو راستی کی حمایت میں اور بھی مضبوط کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو ظلم شہید مرحوم پر کیا گیا اسکا یہی اثر ہوا۔ مولوی عبد اللطیف صاحب نے سلسلہ احمدیہ کی سچی تعلیم کو اپنے شاگردوں اور پیروؤں کے قانون تک اچھی طرح پہنچا دیا تھا۔ اب جب ان لوگوں نے شہید مرحوم سے یہ بے نظیر استقامت اور ایسا صدق اور وفا کا نمونہ دیکھا تو ان کے دل بھی اس سلسلہ کی صداقت پر ویسے ہی مضبوط ہو گئے مگر وہ جانتے تھے کہ امیر کے ملک میں رہ کر ان خیالات کا اظہار کر نیسے ان کے ساتھ قہری سلوک ہو گا جو شہید مرحوم کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ ان میں سے چند ایک آدمیوں نے اس خطرہ کو محسوس کر کے بلا آخر اپنے مالوف وطنوں سے ہجرت اختیار کی اور راستی کی خاطر اپنے عزیز واقارب اور اپنی جاہلادوں اور اپنے وطنوں کو خیر باد کہا۔ انہیں سے بعض تو قادیان میں آ گئے اور بعض اسی جگہ امیر کے علاقہ سے نکل کر انگریزی سلطنت کی پیرامن حکومت کے نیچے آ بسے کیونکہ وہاں قریب ہی صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف مرحوم کی بہت ساری جاہلاد بھی تھیں۔ یہ ایک نہایت مختصر سی جماعت ان جلا وطنوں کی ہے جنکو انکی اپنی قوم کی طرف سے ان ابتدائی مسلمانوں کی طرح دردناک موت کی دھمکیاں اور اذیتیں پہنچنے کے باعث اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور ایک ایسی گورنمنٹ کے نیچے آ کر پناہ گزین ہوئے جہاں مذہب کی خاطر ”کسی پر ظلم نہیں ہوتا“ اور جو عین اسی گورنمنٹ کی طرح منصف اور عادل گورنمنٹ ہے جسکی ہمارے ہادی اور رہبر نے صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سو سال پہلے انہیں القاضین تعریف کی تھی۔

انکار جہاد کچھ عرصہ گزرا ہے کہ ایک اخبار نے صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب مرحوم کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ ذکر کیا تھا کہ یہ بھی ممکن ہی نہیں کہ صرف مذہبی اختلاف کی خاطر امیر افغانستان نے ایسی کارروائی کی ہو یہ بالکل سچ ہے کہ امیر کے ملک میں ہندو عیسائی اور یہودی وغیرہ مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور کسی کے ساتھ اختلاف مذہب کی خاطر ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ مگر صاحبزادہ مرحوم کا اس ظالمانہ طریق سے مارا جانا بھی ایک بالکل سچا واقعہ ہے اور اسکی وجہ ہم نے اوپر ظاہر بھی کی ہے۔ اگر امیر افغانستان یہی سمجھتا کہ یہ صرف ایک مذہبی اختلاف ہے اور آخری مسلمانوں کے عقائد میں اور کوئی ایسا انہیں جو اسکے لیے باعث تشویش ہو تو وہ ایک ایسے معزز اور مقتدر انسان کو اور پھر ایسے مشہور عالم اور مسلم رہنما کو جسکی شاگردی کا فخر ریاست کے بعض بڑے بڑے عمدہ داروں کو بھی تھا اس پر عجمی سے قتل کرنیکی ہرگز جرأت

نکرتا سے اس بات کی غرض تھی کہ کوئی شخص ایک پیر کا مدد سے یا دوسرے کا یا مثلاً اس قدر چھوٹے سے ہر ہی اختلاف پر کیونکر جوش آسکتا تھا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین میں مدفون مانتے ہیں جب اسکا اپنا یہ اعتقاد ہے کہ باقی تمام انبیاء اور محمد و آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمین میں ہی مدفون ہیں حالانکہ اس کے بہت بڑے بڑے اختلاف پہلے سے مسلمان فرقوں کے اندر موجود ہیں اور کوئی سلطنت ان اختلافات کی خاطر اپنی رعایا پر ایسے ظلم نہیں کرتی اصل میں امیر کو ان مذہبی اختلافات کے کوئی غرض نہ تھی اصلی بات جس کے لیے اس نے یہ ساری کارروائی کی وہ مسئلہ انکار جہاد اور غازی مہدی کا انکار تھا کیونکہ غازی مہدی کا انکار ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان سے جہاد کے خیال کو دور کر دینا والا ہے حالانکہ اگر یہ عقیدہ رکھا جاوے کہ اسلام میں ایک ایسا مہدی آئے گا ہے جو آتے ہی تمام کافروں کو قتل کرنا شروع کر دے گا تو اس سے یہ اصول کہ کسی غیر مسلمان کو محض اختلاف مذہب کی وجہ سے قتل کر دینا نیکی کا کام ہے زندہ رہتا ہے بلکہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ خیال کبھی دل سے دور نہیں ہو سکتا کہ اگر مہدی کی قوت میں کفار کو قتل کرنا نیکی میں داخل ہے تو اب کیونکر نہیں اسی خیال پر توجہ کل کے جہاد کی بنا ہے کہ مذہب کی خاطر کسی کو مار ڈالنا عین ثواب کا کام ہے اور قاتل کو جنت کا مستحق کر دیتا ہے پس جب غازی مہدی کی آمد کا عقیدہ رکھ کر اس خیال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جہاد کی نیکی کیونکر ہو سکتی ہے غرضیکہ جب تک غازی مہدی کی آمد کی چھوٹی امید کی جڑ نہ کاٹی جائے جہاد کے خیال کا دور ہونا ناممکن ہے اور دوسری طرف خونی مہدی کا انکار جو سلسلہ احمدیہ کو تمام مسلمان فرقوں سے ممتاز کرتا ہے اس بات کا مستلزم ہے کہ جہاد سے اس وقت اور آئندہ کیلئے انکار کیا جائے۔ یہ وجہ تھی کہ کیون امیر نے مولوی عبداللطیف مرحوم پر اس قدر سختی کی۔ اور بے رحمی سے قتل کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتے ہیں۔ کیون امیر کے ماتحت اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔

اسلام کو لڑائیوں کی کیون ضرورت پڑی | اس موقع پر چند لفظ اور بڑھائیے نامناسب ہونگے کہ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا جو جاہل لوگ اس کی طرف

منسوب کرتے ہیں یعنی یہ کہ ایک ایسا مہدی آئے گا جو مذہب کو قتل عام کے ذریعہ سے پھیلا کر گناہی تعالیٰ نہیں اور مصلحتوں کو اس لیے بھیجتا ہے کہ ماوہ لوگوں کو حق کی طرف بلاوے اور یہ غرض ظاہر ہے کہ تلوار کے ذریعہ پوری زمین ہو سکتی ہے کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے ذریعہ سے اسلام کو پھیلا دیا بہتانا ہے جو تکلیفیں مسلمانوں نے حق کے پھیلاؤ اور حق کے قبول کرنے میں برداشت کیں ان کی شہادت تو مخالفین اسلام کو بھی ادا کرنی پڑی ہے پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہر گز ایسی بات منہ سے نکالیں جس سے ان تکلیفوں اور مصیبتوں کے اندر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مبتلا

میں مکہ میں برداشت کرنی پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو کیا وصیت کی۔ کیا کبھی یہ بھی کہا تھا کہ تم تلواریں خرید لو۔ نہیں بلکہ یہی حکم دیتے تھے کہ صبر سے برداشت کرو۔ پھر جب تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو پھر بھی یہی کہا کہ تم اپنے گھروں اور جایاداد کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے جاؤ۔ ان باتوں کے ہوتے ہوئے یہ الزام دینا کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے پھیلا کیسی بے انصافی ہے۔ پھر یہ سوال ہو گا کہ اسلام نے تلوار اٹھائی کیوں اسکا جواب یہ ہے کہ تلوار مجبور ہو کر اپنی حفاظت کے لئے اٹھائی گئی۔ کفار کے ظلم حد سے گزر گئے اور انہوں نے باوجود وطن چھوڑ جانیکے بھی مسلمانوں کو آرام نہ لینے دیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیت جس میں سب پہلے تلوار اٹھانیکے اجازت دی گئی۔ خود اسکی وجہ بھی بیان کرتی ہے۔ اذن للذين يقاتلون باختم ظلم وادان الله على نصرهم لقد ير الذين اخرجوا من ديارهم بغیر حق الا ان یقتلوا ربنا الله۔ (سورہ الحجہ - ۳۹) ان لوگوں کو جسے جنگ کیجانی تھی، آپ اجازت دیجانی تھی کہ وہ بھی جنگ کریں کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے اور اللہ انکی مدد پر قادر ہے۔ ان لوگوں کو ناسحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف اسلئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اس آیت کے صاف ظاہر ہے کہ جن کفار کے بالمقابل مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی تھی وہ نہ صرف مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں ہی پہنچا چکے تھے اور انکو انکے گھروں سے نکال چکے تھے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار بھی اٹھالی تھی۔ پس ایسی صورتیں چپ رہنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام مسلمان مار ڈالے جاتے مصائب کی برداشت تو حیرت انگیز طریق پر وہ کرتے رہے لیکن جب انکے لیے اور کوئی راہ نہ چھوڑا گیا یعنی انکو کاٹ ڈالنے کیلئے تلواریں ہاتھوں میں پکڑ لی گئیں۔ تو اسوقت مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی کہ اپنی جانوں کی حفاظت کے لیے یہ ضرور ہے کہ تم بھی تلواریں ہاتھ میں لو۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اسوقت مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی کل تین سو تیراں مرد باران سال سے اوپر عمر کے تھے اور انکے بالمقابل عرب کی تمام بہادر اور جنگجو قومیں انکی بجائیں سنبلیے اکھٹی ہوئی ہوئی تھیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف اپنی جان بچانیکے لیے مجبوری کی جنگ تھی نہ اسلام پھیلانیکے لیے کیونکہ اس چھوٹی سی تعداد کے ساتھ کس انسان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات گزر سکتی تھی کہ عرب کی تمام بت پرست قوموں کو مغلوب کر کے وہ سب کو اپنا دین منوالینگے۔ یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ایک محفل پسند آدمی کو یقین دلانیکے لیے کافی ہیں کہ ایسے ممدی کے آئین کا عقیدہ جو اسلام نہ قبول کر نیکی سبب سے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دینا ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو اسلام کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

سرحدی غازی

افغانستان کی صحرے کے ساتھ ساتھ کئی حصوں میں اس قسم کے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کو جہاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ابھی تازہ ہے۔ دو

افسوسناک واقعات ایسے ہو گئے ہیں ایک سپاہی نے لفٹنٹ کرنل بہمن صاحب کو جب وہ افسروں کے کھانا کھا نیکیے کمرے میں تھے گھسکر مار ڈالا مگر قاتل اسی جگہ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ افسر گزشتہ کا واقعہ ہے۔ ایسا ہی کپتان براؤن کو بھی ایک وحشی افغان نے مار ڈالا۔ یہ نازہ مثالیں ہیں اور اُن کے دن ایسے قتل کے واقعات ہوتے رہتے ہیں گورنمنٹ کو چاہئے کہ ان اسباب کی پوری پوری تحقیقات کرے جسے قتل کے واقعات خصوصاً اس حصہ میں جو افغان کی سرحد پر ہے ہوتے رہتے ہیں پہنچ تو اس قسم کے واقعات ہر ایک انسان کو ہوتا ہے مگر مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر یہ فرض ہے کہ وہ ایسے واقعات پر زور الفاظ میں اپنی بیزاری ظاہر کریں جو انسانیت کو بدنام کرنے کے علاوہ اسلام کو خصوصاً بدنام کر رہے ہیں یہ ہم ساتھ ہی اس بات کو صاف طور پر بیان کر دینا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایسے واقعات کی ٹھیک سی اس وقت تک اکبھی نہیں ہو سکتی جب تک اس اصول کے بطلان کو تسلیم نہ کر لیا جائے جس پر غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کا انحصار رکھا گیا ہے۔ جو اصلاح اس بارے میں ہمارے امام اور شیوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی ہے وہ نہایت قابل قدر ہے مگر افسوس ہے کہ بعض وقت اس کی ایسی کم قدری کی جاتی ہے کہ گویا یہ کوئی اصلاح ہی نہیں۔ جن لوگوں کا ایسا خیال ہے ان کے نزدیک گویا انسانی زندگی کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ قانون کے تشدد نے ان تک ان واقعات میں کوئی بڑی کمی نہیں دکھائی پس تشدد کی ایسی تجویزیں جیسی مثلاً اب کی گئی ہے کہ مجرم کے علاوہ اسکے قریبی رشتہ داروں کو بھی سزائیں دی جاویں صرف یہی ظاہر کر رہی ہیں کہ سزائیں تشدد اس جرم کے کم کرنے کے لیے مفید ثابت نہیں ہوا۔

اصلی علاج | غازیوں کی اصلاح کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یقین ہو جاوے کہ وہ کتاب مقدس جس کی طرف وہ اس تعلیم کو منسوب کرتے ہیں ایسے عقیدہ پر اہانت بھیجتی ہے کہ ناحق کافروں کو قتل کیا جائے صرف اس لیے کہ وہ مذہب اسلام نہیں رکھتے۔ اور یہ کہ جہاد اور غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو اسلام کی طرف منسوب کرنا سخت غلطی ہے جب تک ان دو امور کے متعلق ان لوگوں کا مذہبی عقیدہ نہ بدل جاوے گا تب تک سزائی سختی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ ہماری دانشمند گورنمنٹ کو کیوں کبھی اس طرف خیال نہیں ہوتا اور اسکے ذمہ دار افسر کیوں ان تجویزوں کو عملدرآمد میں لانیکی کوئی کوشش نہیں کرتے جو ایسے واقعات کو روک سکتی ہیں اس قسم کی تجویزیں سلسلہ حید کے امام حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی دفعہ پیش کر چکے ہیں اگر یہ سچ ہے کہ قتل کے واقعات ان لوگوں کے مذہبی عقیدہ کی وجہ سے ہوتے ہیں تو پھر اس دوسری بات میں کبھی کسی اور شک کی گنجائش نہیں کہ اس مذہبی عقیدہ کی اصلاح ہی ان کے دور کرنا ذریعہ ہو سکتی ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ اس تجویز سے

کامیابی ہوئی امینین اور شاید لوگ اپنے عقیدہ کی غلطی مطلع ہو کر بھی اسکی اصلاح نہ کریں تو صحیح نہیں عملی طور پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ علاج بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ انہیں لوگوں میں سے مولوی صاحبزادہ عبداللطیف مرحوم بھی تھے جنہوں نے ایک دفعہ غازی مہدی کے آنے اور جہاد کے عقیدہ کی غلطی کو دیکھ لیا تو موت کو قبول کیا۔ مگر راستی کو نہ چھوڑا اور انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے گھر بار کو چھوڑ رہے ہیں مگر اس حق اور راستی کو انہیں چھوڑ سکتے کہ غازی مہدی کے آنے کا عقیدہ غلط ہے یہ واقعات ہیں اور گورنٹ بطور خود تحقیقات کر کے انکی تصدیق کر سکتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود کی تعلیم سے واقعی بعض لوگوں پر یہ اثر ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باقی کے متعلق یہ امید نہ رکھی جائے اگر گورنٹ اس تجویز کو عمل میں لائے جو بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے اس میموریل میں پیش کی تھی جو گورنٹ آف انڈیا کو جلسہ دربار تاجپوشی ملک معظم کے موقعہ پر دیا گیا تھا اور جو اس میگزین میں بھی جنوری سنہ ۱۹۰۷ء میں چھپ چکا ہے اور یا اس سلسلہ کی پرزور تحریروں کے جو جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ کے خلاف ہیں سرحدی ممالک میں کثرت کے شایع کرنے میں مدد دے تو یقین ہے کہ بہت جلدی وہ لوگ اپنے انگریز حکمرانوں کو اور نظر سے دیکھنے لگیں گے۔ ہم خصوصیت اس سلسلہ کی تحریر و نگاہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ تحریریں اپنا مقناطیسی اثر انہیں تو موہن سے ایک پر ثابت کر چکی ہیں۔ ہماری یہ بھی رائے ہے کہ اور تحریریں بھی اس مقصد کے حل کرنے میں کامیاب بنیں ہو سکتیں کیونکہ جو تحریریں غازی مہدی کی آمد کے عقیدہ کو شایع کرتی ہیں وہ اس اصول کی مہم میں جس اصول پر یہ قتل کے واقعات ہو رہے ہیں اور ایسے وہ جہاد کے اصول کی پوری پوری معاون ہیں یا زیادہ سے زیادہ ایک حد تک تو ضرور معاون ہیں پس ایسے لوگوں کے درمیان جن کو ایک عقیدہ نے پیسے ہی مذہبی دیوانے بنا رکھا ہے اس قسم کی تحریروں کی اشاعت سے کسی بہتری کی امید نہیں ہو سکتی ایسی تحریروں کا انکے درمیان شایع کرنا انکو یہ کہنے کے برابر ہے کہ اصول تو یہ تھا کہ کفار کو قتل کر دینا چاہئے کیونکہ وہ عظیم الشان امام مہدی جب آئیں گے تو وہ بھی قتل ہی کر دیا۔ مگر مصالحت وقت کے لحاظ سے اس وقت ایسے قتل کے واقعات کا ہونا مناسب نہیں۔ کیا ایسی وعظ سے وہ لوگ ایسے واقعات کے کر نیسے رک جاویں گے۔ ہرگز نہیں۔ یہ وقت ہے کہ انگریزی افسروں کی قیمتی زندگیوں کی حفاظت کے لیے گورنٹ اس تجویز پر غور کرے۔ اخیر میں ہم یہ بھی کہیں گے کہ دلا آدمیوں کا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو کر جہاد اور غازی مہدی کے عقیدہ سے اپنی بیزاری ظاہر کرنا اس پہلو سے گورنٹ کے لیے ایک مفید امر ثابت ہوا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی ترقی اس فائدہ کو اور بھی نمایاں کر کے دکھلا دے گی۔

الوصیت

نحمدہ ونصلی علی سولہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللَّهُ عزَّ وَجَلَّ - قُلْ مَا يَعْْبُوْا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دَعَاؤُكُمْ

یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم بندگی نہ کرو اور دعائیں مشغول نہ ہو
دوستو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے حال پر رحم کرے آپ صاحبوں کو معلوم ہو گا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے
الحکم اور البتدر جو قادیان سے اخبارین نکلتی ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاع پاکر یہ وحی الہی شایع کرائی تھی کہ:-
عفت الدیار محلہا و مقامہا یعنی یہ ملک عذاب الہی سے مٹ جائیگا وہ بہ مستقل سکونت امن کی جگہ
ہوے گی اور نہ عارضی امن کی جگہ یعنی طاعون کی وبا ہر یک جگہ عام طور پر پڑے گی اور سخت پڑے گی۔ دیکھو اخبار الحکم
پرچہ مورخہ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۸۷ نمبر ۱۸- جلد ۸ کالم ۳- اور اخبار البدر نمبر ۲۰ و ۲۱ صفحہ ۱۵۱ مورخہ ۲۲ مئی و یکم جون سنہ ۱۹۸۷
اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت قریب آگیا ہے میں نے انشوقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور
کشف دیکھا ہے کہ دردناک موت تو نے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے میرے منہ پر لایہام الہی تھا کہ ہوتا
میرا لگ رہی ہے کہ میں بیدار ہو گیا اور اس وقت جو ابھی کچھ حصہ رات کا باقی ہے میں نے یہ اشتہار لکھنا
شروع کیا۔ دوستو! اٹھو اور ہوشیار ہو جاؤ کہ اس زمانہ کی تسلسل کیلئے نہایت مصیبت کا وقت آگیا ہے
اب اس وریا سے پار ہونیکے لیے بجز تقویٰ کے اور کوئی کشتی نہیں۔ یوں خوف کے وقت خدا کی طرف جھکتا ہے
کہ بغیر اسکے کوئی امن نہیں۔ اب دکھا دکھا کر اور سوز و گداز اختیار کر کے اپنا کفارہ آپ دعا اور راستی میں مجھو کہ
اپنی قربانی آپ ادا کرو اور تقویٰ کی راہ میں پورے زور سے کام لیکر اپنا جو کچھ آپ اٹھاؤ کہ ہمارا خدا پیرا رحیم و کریم ہے
کہ رونے والو تیرا سکا غصہ ختم جاتا ہے مگر وہی جو قبل از وقت روتے تھے میں نہ مرد و نہ لاشوں کو دیکھ کر وہ خوف
کرنیوالوں کے سر پر سے عذاب کی پیشگوئی ٹال سکتا ہے جاہل کہتا ہے کہ پیشگوئی کیوں ٹل گئی لیکن اگر خدا میں یہ
عادت نہ ہوئی کہ دعا اور صدقہ اور خیرات اور گریہ اور بکا سے اُن بلاؤں کو دور کر دیتا جن کا اس نے ارادہ کیا ہے یا جن
بلاؤں اور عذابوں کو نبیوں کی معرفت ظاہر کر چکا ہے تو دنیا کبھی کی ہلاک ہو جاتی۔ سو نیکی کرو اور خدا کے رحم کے
امیدوار ہو جاؤ۔ خدا کی طرف پوری قوت کے ساتھ حرکت کرو اور اگر یہ نہیں تو بیمار کی طرح اقتان خیران اس کی
دوا کے دروازہ تک اپنے تئیں پہنچاؤ اور اگر یہ نہیں تو مردہ کی طرح اپنے اٹھائے جائیگا ذریعہ صدقہ خیرات کے راہ سے
پیدا کرو نہایت تنگی کے دن میں اور آسمان پر خدا کا غضب بھڑک رہا ہے آج محض زبانی لاف و گزاف کے
تم پار نہیں ہو سکتے ایسی حالت بناؤ اور ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کرو اور ایسے تقویٰ کی راہ پر قدم مارو کہ وہ

رحیم و کریم خوش ہو جائے اپنی خلوت نگاہوں کو کراہی کی جگہ بناوا اپنے دل کو پیر سے ناپاکیوں کے رنگ دور کرو۔ بیجا
 کیٹوں اور بچکوں اور بد زبانوں سے پرہیز کرو اور قبل اسکے کہ وہ وقت آوے کہ انسان کو دیوانہ سا بنا دے
 بیقراری کی دعاؤں سے خود دیوانے بنجاؤ عجیب بد بخت وہ لوگ ہیں کہ جو مذہب صرف اس بات کا نام کہتے ہیں
 کہ محض بان کی چالاکیوں پر سارا دار مدار ہو اور دل سیاہ اور ناپاک اور دنیا کا کپڑا ہو پس اگر تم اپنی خیر چاہتے
 ہو تو ایسے مت بنو۔ عجیب بد قسمت وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس کا تڑپ کی طرف ایک نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھتا اور
 بدبودار تعصب سے دوسروں کو بدزبانی سے پکارتا ہے پس ایسے شخص پر ملاکت کی راہ کھلی ہے سو تقوے سے
 پورا حصہ لو اور خدا ترسی کا کامل وزن اختیار کرو اور دعاؤں میں لگے رہو تا تم پر رحم ہو تم میں سے کون ہے
 کہ جو بھوک کے وقت صرف روٹی کے نام سے سیر ہو سکتا ہے یا صرف ایک دانہ سے پیٹ بھر سکتا ہے ایسا
 ہی تم خدا کو راضی نہیں کر سکتے جب تک پورے طور پر تفتی نہ بنجاؤ اپنے دشمنوں کے نفسانی جو شوں کا مقابلہ مت کرو
 تا تم بھی ایسے ہی نہ ہو جاؤ کیونکہ جاہل کا مقابلہ صرف جاہل کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے پس اگر وہ تمہیں
 ستاوین اور دھم دین یا تمہیں جوش دلانیکے لیے میری نسبت سب شتم اور دشنام دہی اور تنہا کا طریق اختیار
 کریں تو تم صبر کرو اور چپ رہو تا وہ خدا جو تمہارے دلوں اور انکے دلوں کو آسمان پر دیکھتا ہے تمہیں بدلہ دے یقیناً
 سمجھو کہ یہ وہ دن آ رہا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ایسی سختی کے دن بھی عام طور پر دنیا پر نہیں آئے ایسا ہوا
 تا وہ پیشگوئیاں پوری ہو جائیں جو ابتدا سے نبیوں نے کی تھیں۔ خدا نے آج سے پچیس سو سال پہلے طاعون کی خبر
 مجھکودی تھی جو برائیں آدمیوں میں شایع ہو چکی تھی پھر اس وقت خبر دی جب یہ ملک اس بیماری سے پاک تھا وہ
 خبر بھی شایع ہو چکی اور پھر طاعون کے اس سخت حملہ کی خبر جو عنقریب ہونی والا ہے۔ یہ ایسی ہی ہوئی کہ لاگو
 متنبہ ہو جائیں ان چالاک لوگوں کی پیروی مت کرو جنکے دل گندے اور نجاست سے بھرے ہیں جو دوسروں کو
 خدا کی طرف بلاتے اور آپ اس سے دور ہیں۔ خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کس کی زندگی لعنتی اور کس کی زندگی نیک
 پس تم ایسے دردناک دعاؤں میں لگاؤ کہ گویا مر ہی جاؤ تا دوسری موت کے خدا تمہیں بچا دے دنیا کیلئے بڑی گھبرائ
 کے دن ہیں مگر دنیا نہیں سمجھتی لیکن کسی نے سمجھے گی دیکھو میں اس وقت اپنا فرض ادا کر چکا ہوں اور قبل اسکے کہ
 تنگی کے دن آوین میں نے اطلاق عید دی ہے اب میں ختم کرتا ہوں۔

مکر یہ کہ گزشتہ بالا تفصیل اور ہدایات سے ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارا یہ مشاوریہ ہے کہ طاعون کے غلبہ کے
 دنوں میں اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے بلکہ برعایت قواعد طبیہ بہتر ہو گا کہ جس گاؤں یا کسی شہر کے محلہ میں
 یہ مرض پھیلی ہوئی الفور اس گاؤں یا محلہ کو چھوڑ دیا جائے اور اسی شہر یا گاؤں کے باہر آبادی سے کچھ
 کچھ فاصلہ پر معادل و عیال نکال کر کسی جھونپڑی میں گزارہ کر لینا چاہئے ہاں کسی دوسرے شہر یا گاؤں کی طرف

بھاگ کر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ان لوگوں پر ظلم ہے جن کی بستی ہنوز طاعون سے پاک تھی اور انہیں یہ ہے کہ بیاعت ان لوگوں کے جو کسی آلودہ شہر یا گاؤں سے آئے ہیں اس جگہ میں بھی طاعون پھوٹ پڑے پس جو شخص اپنی ہمدردی کرتا ہے چاہئے کہ وہ دوسروں کی ہمدردی کا بھی خیال رکھے۔

خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی ۲۷ فروری ۱۹۰۵ء

ریویو

ہمارے پاس دو انگریزی رسائل ”مین نے کیوں اسلام قبول کیا“ اور ”تغییر اسلام“ صلی اللہ علیہ وسلم بغرض ریویو سنیچے میں جو ڈاکٹر انٹی کنت چو پادھیامولوی محمد عزیز الدین پرنسپل حیدر آباد کالج کی تصنیف ہیں ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ان رسالوں کا مصنف وسعت علمی کے لحاظ سے معمولی آدمی نہیں انہوں نے بہت مدت تک مختلف ممالک میں پھر مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور آخر کامل تحقیقات اور غور کے بعد سب پر اسلام کو ترجیح دی ہے۔ اول اول یورپ میں جا کر وہ فلاسفوں کے اسکول کے مداح رہے جس کا قایم مقام ہندوستان میں برہمن سماج ہے۔ بعد ازاں جرمنی میں جا کر بد مذہب کا مطالعہ شروع کیا جسکی اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم نے مدت تک انکو اپنی طرف کھینچے رکھا مگر آخر کار وہ اس صحیح نتیجہ پر پہنچے کہ تعلیم عملی رنگ میں دنیا کیلئے مفید نہیں بلکہ فطرت انسانی کے تقاضاؤں کے خلاف ہے۔ پھر وہ پیرس میں اور وائس سینٹ پیٹرز برگ میں چلے گئے۔ فرانسیسی زبان کو سیکھنے کے بعد وہ رین کے مداح ہوئے اور اسی اثر کے نیچے شامی زبانوں اور شامی مذہبوں کے مطالعہ کی طر آئی طبیعت متوجہ ہوئی چنانچہ کچھ مدت تک وہ مختلف مذاہب کی خوبیاں ایک کو دوسرے کے بالمقابل رکھ کر غور کرتے رہے یعنی ایک طرف یہودیوں برہمنوں اور زرتشتی کے مذاہب پر اور دوسری طرف اسلام عیسائیت اور بد مذہب پر عیسائیت میں انہوں نے روس کی تھولک مذہب کو باقی فرقہ پر ترجیح دی۔ مگر ایک طرف عیسائیت کے کفارہ اور بدی جنہم کا عقیدہ اور دوسری طرف روس کی تھولک فرقہ کا عقیدہ پوپوں کی عصمت کے متعلق انکو اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کہ وہ عیسائی مذہب میں شامل ہوں۔ اسی تذبذب کی حالت میں وہ ہندوستان کو واپس آئے جہاں پہلے عرصہ تک تھو صوفی کا مطالعہ کرتے رہے اور بعد ازاں زرتشت کے مذاہب اور اسلام کی طرف خاص توجہ کی کیونکہ

انہر بھی تک انہوں نے کافی طور پر غور نہیں کیا تھا۔ اسلام کے اصول پر غور کر کے وہ بہت مدت کے اس نتیجہ پہنچ چکے تھے کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے مگر بعض خارجی واقعات کے سبب اس عقیدہ کا اعلان کیر نہیں کئی سال انکو گزر گئے آخر ۲۶- اگست ۱۹۰۴ء کو انہوں نے ایک مجلس میں عام طور پر یہ اعلان کر دیا اور اس جگہ ایک لکچر کے اثنائے میں اپنے اسلام قبول کرنے کے وجوہات بھی بیان کیے یہی لکچر اس وقت رسالہ کیچر و تین جھپا ہوا موجود ہے قبولیت اسلام کی بڑی وجوہات تین بیان کی گئی ہیں جو مختصر طور پر یہ ہیں کہ اسلام ایک تاریخی معقول اور عملی مذہب ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مخالفین اسلام بھی اسلام کی اس خوبی سے انکار نہیں کر سکتے۔ پروفیسر باسور تھ سمیتہ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جس نے اثنائے لکچر میں کہا: مسیح کی زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے کے بعض واقعات کی ہمیں بیشک خبر ہے مگر اس میں سالہ زندگی کا پردہ کون اٹھا سکتا ہے جو دراصل تین سال کی زندگی کیلئے بطور تیاری کے تھے۔ مگر اسلام میں یہ صورت نہیں۔ یہاں بجائے قصوں اور کہانیوں اور تاریکی کے ہمیں روشنی اور تاریخی واقعات نظر آتے ہیں۔ یہاں یعنی مذہب اسلام میں نہ کوئی شخص اپنے نفس کے دھوکے میں آ سکتا ہے اور نہ دوسروں کے دھوکے میں۔ بلکہ ہر ایک واقعہ ہر دن کی روشنی ایسی صاف صاف پڑتی ہے جیسا ممکن ہے۔ اس کے بعد اسلام کے معقول مذہب ہونے پر بحث کی گئی ہے۔ اسلام کے دو ہی اصول ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مستی اور توحید اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت توحید ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی سچائی اور حقیقت ہے جو فطرت انسانی میں منقوش ہے اور جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ یہاں نہ تشکیک کے داخل ہونیکے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ تمس کر ڈر دینا تو ان کے لیے۔ باقی رہا رسالت کا مسئلہ سو وہ بھی ہر ایک عقلمند انسان کو ماننا پڑتا ہے۔ جب کبھی وہ اصل اصول جنہر ہماری اخلاقی اور مذہبی زندگی کی بنیاد ہے تاریکی کے نیچے دب جاتے ہیں یا دلوں سے بھول جاتے ہیں جب کبھی انسان بکلی دنیا پر جھک پڑتے ہیں اور دنیا کی حرص کی قید میں پھنس جاتے ہیں جب کبھی دنیا میں گناہ کا زور اور سیلاب آتا ہے اور دنیا دہریت کی طرف چلی جاتی ہے ایسا وقت میں قوموں کی زندگی میں ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں جو اپنی پیدائش سے ہی ایسے محفوظ رہتے ہیں کہ گویا وہ دنیا کے نہیں مگر خدا کے رسول اور نبی کہانے جہاں میں جس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ انسان کو وہ باتیں یاد دلا دیں جو وہ بھول گئے ہیں اور ان باتوں کو تازہ کریں جو کم ہو چکی ہیں۔ اور اسلام کی حقائق کے ان دوزور اور دلائل کے تیسری دلیل یہ دیکھی ہے کہ یہی ایک مذہب ہے جو انسان کی عملی زندگی کے مطابق اور عملی طور پر سکارتہما ہو سکتا ہے۔ بدھ اور مسیح کی تعلیم کو بعض وقت کامل کہا جاتا ہے مگر یہ کمال ایسا ہے جو محض خیال ہی خیال ہے۔ ان لوگوں کے لیے جنہیں تمدنی صورتیں رہنا چاہئیں اور دنیا کے دھندے کرنے پڑتے ہیں معیہ کمال یہ ہے کہ وہ اصول انکی عملی زندگی کے مطابق حال ہوں انسانی ضروریات پر غور کر کے جو اصول سب

زیادہ ان ضروریات کے مطابق حال اور عملی طور پر مفید ہوں وہی ہمارے نزدیک کامل ہونگے اس معیار کے رو سے صرف مذہب اسلام کے اصول ہی کامل ہونیکے دعویدار ہو سکتے ہیں اس وجہ پر اسلام نے تعدد ازواج کو بھی جائز رکھا ہے۔ نکاح کے قانون جو اسلام نے تجویز کیے ہیں وہی ایسے قانون ہیں جو انسانی ضروریات کو مد نظر رکھ کر انسانوں کی تمدنی روحانی اور اخلاقی بہتری کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی اسلام کی ہر ایک اخلاقی تعلیم میں بھی جاری ہے جسکی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرا رسالہ ”پیغمبر اسلام“ مختصر طور پر بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی عظیم الشان تبدیلی کر دکھائی اور اخیر میں بعض اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو لوگ انگریزی پڑھ سکتے ہیں وہ ان دونوں رسالوں سے ضرور فائدہ اٹھائیں پہلے کی قیمت ۴ روپے دوسرے کی ۸ روپے اور چار گھاٹ حیدر آباد دکن سے مل سکتے ہیں :

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم۔ فروری ۱۹۰۵ء (۱) اِنِّیْ مَعَ الرَّحْمٰنِ وَمَعَ اَهْلَکَ۔

(۲) اِنِّیْ لَا جَدْرَ یُوجِبُ یُوسُفَ لَوْلَا اَنْ تَفْنَدُوْنَ۔

(۳) ایک رؤیا دیکھی کہ ایک کاغذ ہے جسکے اوپر کی دو تین سطر فارسی خط میں ہیں باقی سب انگریزی ہے اسکا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ گویا کوئی میرزا نام لیکر کرتا ہے کہ دو سو پچاس روپیہ انہیں دیا جائے۔

۲۰ فروری ۱۹۰۵ء (۱) حضور کی طبیعت نامساعد تھی حالت شفی میں ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا ہوا تھا خاکسار میرزا (۲) اِنَّمَا اَمْرُکَ اِذَا رَدَّتْ شِیْءًا اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ کُنْ فِیْکُوْنَ۔

۲۱۔ فروری ۱۹۰۵ء رؤیا میں دیکھا کہ دردناک موت تو نے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے اور ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ موتا موتی لگ رہی ہے۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳۔ پانچ سہ ماہی کوئی شخص ہوا اس سے میں کہتا ہوں کہ تم حساب کرو مگر وہ نہیں کرتا اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیئے ہیں اس کے بعد ایک اور شخص آیا جو الہی بخش کی طرح ہے مگر انسان نہیں بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے اس نے دونوں ہاتھ روپوں کے بھر کر میری جھولی میں ڈال دیئے ہیں تو وہ اس قدر ہو گئے ہیں کہ میں انکو گن نہیں سکتا پھر میں نے اسکا نام پوچھا تو اس نے کہا میرا کوئی نام نہیں دوبارہ دریافت کرنے پر کہا کہ میرا نام ہے پیچھی میں نے بہت سال دیکھ کر دل میں کہا کہ فلاں حاکم مذکور کو کچھ دیو گنا اور ایک حاکم مذکور کو کچھ دیا گیا خستہ حال قابل رحم۔

۴۔ پانچ سہ ماہی۔ ٹھوڑی سی غنودگی ہوئی تو دیکھتا ہوں کہ یہ مکان جواب بن رہا ہے۔ (جسکا اشتہار کشتی نوح میں دیا تھا) سامنے آگیا ہے اسپر ایک معمار بیٹھا ہے۔ اس نے کہا مبارک مین ہے گمانیہ مبارک

اطلاع

(۱) ترسیل روپیہ یا خط کتابت کرتے وقت ہنر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں شکایت توقف یا عدم تعمیل یا عدم جواب بجا تصور ہوگی۔

(۲) جملہ خط و کتابت متعلق میگزین بنام پیجر میگزین ہونی چاہئے نہ کسی مالک یا نیچر ملٹیچ یا دیگر صاحب کے نام۔ کیونکہ اس سے حرج و طوالت کام کا احتمال ہے +
پیجر میگزین

مدرسہ تعلیم الاسلام

مدرسہ کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے ہیں سبب جناب کی چاہیے کہ مستقل اور کمیشن چند و نشے فائدہ کی اعانت کریں۔ مدرسہ کے متعلق تمام رقوم بنام امین مدرسہ تعلیم الاسلام آنی چاہئیں۔ رسیدین اخبارین طبع ہوا کریں گی + نور الدین۔ امین مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان۔

کبریت احمر یا جیون بوٹی کے استعمال سے ایک مہینے میں تین سینہ خون صالِح تازہ بدن انسان میں پیدا ہوتا جو ان کی طاقت مدت العمر قائم رہتی ہے استعمال کر نیسے پہلے اور بعد بدن کو وزن کرو اور رازِ باؤ اس سے جو صکر مہی مولد خون صالِح مشمتی بدن کو مضبوط اور خوش رنگ بنائے اور چہرے کی سرخی صلی طاقت و توانائی و تازگی پیدا کر نیوالی دوائی ایسی آج تک ایجاد نہیں ہوئی اسکا اثر ان اعضا پر جن پر نسل انسان کی پیدائش کا انحصار ہے بالخصوص مثانت قوی ہوتا ہے۔ وہ خوشی جو عورت و مرد کی معاشرت و وابستہ ہے اس سے فی الفور حاصل ہوتی کبریت احمر اسکا نام اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہ دوا اعضا کے تولید کے پرمردہ قحط کو از سر نو بحال کر نیسے ساتھ زندگی کو کمیاب نادی ہے قیمت فشیشی سے ۱۲ روغن و درگزرہ۔ درگزرہ کے دورے اور تکلیفیں ایسی سخت ہوتی ہیں کہ الامان یحییٰ غریب روغن درگزرہ میں خاص کر جب درگزرہ کی وجہ ہو اکبر کا کام دیتا ہے چھوٹے چھوٹے سنگریز و نکو توڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے نہایت ہلکے خارج کر دیتا ہے۔ تمام کنکری اور ریت نکل کر درگزرہ کی نوبت پھر نہیں ہوتی۔ قیمت فشیشی ۱۲ روغن۔

عجیب و غریب مرہم الحار و مرہم عیسے۔ اگر آپ دنیا بھر میں سے اچھا پڑا اثر نریہد ہر قسم کے زخموں جراحاتوں۔ چوٹوں۔ گلیٹیوں۔ خنازیر۔ سرطان طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریے پھوڑوں بھنسیوں ناسور وں۔ گچ۔ خارش بوا سیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں ہاتھوں کے سردی سے بھٹ جانے جانور و مکے کا لینے بجانے اور عورتوں کے خطرناک امراض سرطان رحم وغیرہ کے لیے ہزار ہا سال کا مجرب مقدس ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے حکما کا متفقہ بابرکت علاج چاہتے ہیں۔ تو یہ مبارک مرہم اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے تیار کر نیکا ذمہ دار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے یہ مشہور آفاق مرہم سوا کارخانہ مرہم عیسے کے دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا۔ قیمت فی ڈبہ خور ۶۲۔ ۱۲۔ فی ڈبہ کلان ۱۲۰ روغن۔

عمدۃ التقویم سنہ ۱۲۹۰ موفت حکیم محمد حسین اینڈ برادران کان کارخانہ مرہم عیسے کے ملک کراچی رسالہ ۱۲۹۰ موفت

ضروری اطلاع

رسالہ نور الدین جس میں قابل مصنف نے بعد نظر ثانی کیسے قدر اضافہ کیا ہے خوشخط و عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک ۸ روغن ہے۔ درخواستیں اس پتہ پر ہوں
سیٹھ عبد الاحد ہدایت الدجزل مرخپٹ کمیشن ایجنٹ کٹرہ جیل سنگھ امرسترا

منشی مفضل صاحب اپنے مطبع انوار الاسلام میں منیر صاحب میگزین کے لیے چھاپا